

www.KitaboSunnat.com

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
حَمْدُ اللَّهِ الْعَظِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بَنْيَ رَبِيعٍ بَرَّ

بَلْ دُور
کی پیغمبر

مُصَنَّف

قارئ عَظَمَتِ اللَّهِ ثاقب بْنُ مَنَان

ناشر

خَطْلَةُ الْيَدِمَى مَرْكَزُ تَوْحِيدٍ
مَقْرَبَاتِنَ آبَادَ گُورجَانَوَالَّه

0333-8111365, 03006433008



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اطْبِعُوا أَلٰهَهُ
وَاطْبِعُوا رَسُولًا

جَمِيعُ الْعِبَادَاتِ إِلَيْهِ يَرْجُونَ

محدث الابنیان

کتاب و سنت کی دیشی پرچمی ہائے ولی، حادثی پرچمی لامبے لامبے سے ۱۲ جستہ مکار

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر مستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلسِ حقیقت انسانی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعویٰ مقاصد کیلئے ان کتب کی ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشر ہن سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈ نگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com
🌐 www.KitaboSunnat.com

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ يَرَنِي

بِالْجَنَّةِ وَأَنْ يَرَنِي

بِالْجَنَّةِ

بَدْو کی حقیقت

مُحَمَّد فَضَّل

قارئ عصمت اللہ ثاقبؒ مٹانی

ناشر

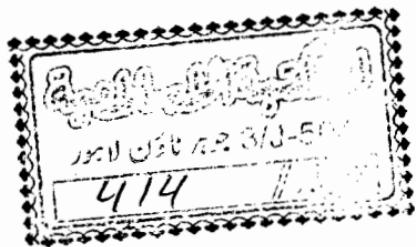
فضله الکاظمی مَرْكَزُ تَوْحِيدٍ
مَوْعِدُ رَائِيْنَ آباد گوجرانوالہ

0333-8111365, 03006433008

حَقِّ الْحُقُوقِ حَقِّ الْمُحْكَمِ

حق ناشر

نام کتاب	-----	بنیاد جادوی حقیقت
مصنف	-----	قاری عصمت اللہ ثاقب لان
ناشر	-----	محمد حنظله چینہ
اسکست	-----	اسلامی اکادمی لاہور
سال اشاعت	-----	ستمبر 2007
اشاعت	-----	سوم
تعداد اشاعت	-----	1100
ڈیزائنگ	-----	خطاط سعید احمد ناز
کپوزنگ	-----	عبدالرؤف
قیمت	-----	/-



نیت گذشتہ

9	ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ	*
11	ابتدا سیہ	*
17	اقسام سحر	*
22	وسوسہ کا اثر	*
24	ازلال (چھلانا)	*
25	ایذا پہنچانا	*
27	کسی کام یا بات سے بھلا دینا	*
28	کسی کے خلاف اکسانا	*
28	قرآن اور حدیث سحر میں موافقت	*
30	اس حدیث کی صحت پر امت کا اتفاق ہے	*
38	یہودی سازش؟	*
39	قرآن کی تفسیر بالارے	*
43	احادیث سحر عصمة انبیاء کے خلاف نہیں ہیں	*

50	تعمیہ
51	آپ کے ہر قول فعل کا سنت ہونا
52	شریعت اور دنیاوی امور
53	حدیث سحر قرآن سے متصادم نہیں ہے
54	آپ ﷺ کو مسحور کہنا غلط ہے
57	”مسحور“ کہنے کی وجہ
59	دوسرا جواب
65	”ساحر“ اور ”ساحرالبيان“ میں فرق
66	تصریہ
68	آیت ”الذی یتخبطه الشیطان“ سے استدلال غلط ہے
71	لایفٹھ الساحر سے استدلال غلط ہے
72	اس آیت کا ایک اور معنی بھی ہے
73	وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ كا صحیح مفہوم
78	وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كا صحیح مفہوم
82	عقیدہ اور خبر واحد
88	علامہ تفتازانی حنفی کا قول
91	یہ عقیدے کا مسئلہ نہیں ہے
91	جهالت آمیز دھوکا
93	امام ہشام بن عروة تابعی پر اختلاط کا الزام
99	امام ہشامؓ کو تخلط ثابت کرنے کی داستان

101	مکرین کے "سمیا جانے" کا ایک اور واقعہ	*
105	راویوں کا کوفنی ہونا	*
106	حدیث سحر کے روایات	*
109	حدیث سحر کے تمام راوی کوفنی نہیں ہیں	*
110	ئو سالہ خصتی کی حدیث کے راوی	*
113	حدیث سحر کو یہودی سازش قرار دینے کی وجوہات اور انکار و	*
113	"متعدد نامی گرامی جادوگر"	*
114	"جادوگروں کو شاہی کی نوید"	*
116	وقتی اثر	*
117	"تخیل الیہ" کا معنی	*
121	"کئی طرح کے چنی و جسمانی عوارض"	*
121	"بار بار دعا کرنی پڑی"	*
123	"کامل ایک برس تک انتظار کرنا پڑا"	*
124	"خواب میں فرشتوں کے ذریعے آگاہ کیا گیا"	*
126	"موسیٰ کے عصانے چند لمحوں میں ہر قسم کے جادو کو فنا کر دیا"	*
127	معوذ تین کا نزول	*
128	"موسیٰ کا کمال جادوگروں پر اثر انداز ہوا"	*
129	محمد رسول اللہ ﷺ کی برتری	*
130	مکرین حدیث کا "ایک اور پہلو"	*
130	تبصرہ	*

130	- تبصرہ	*
130	- تبصرہ	*
131	- تبصرہ	*
131	- تبصرہ	*
132	- تبصرہ	*
132	- تبصرہ	*
135	- "اس کے باوجود"؟	*
136	- کیا مذکورین، علامہ فتاویٰ انی کو صحیح العقیدہ سمجھتے ہیں؟	*
137	- علامہ بحاص کا حوالہ	*
139	- کیا مذکورین کے نزدیک علامہ بحاص صحیح العقیدہ ہیں؟	*
140	- امام ابن قیمؓ کا حوالہ	*
143	- جادو ایک علم ہے	*
144	- ماتتلوا الشیاطین کا صحیح مفہوم	*
151	- جادو کا اثر	*
161	- چند شبہات کا ازالہ	*
161	- پہلا شبہ	*
162	- ازالہ	*
162	- دوسرا شبہ	*
162	- ازالہ	*
167	- بازن اللہ اثر کا مطلب	*

7	
167	تیرا شبہ
167	ازالہ
172	چوتھا شبہ
172	دفعیہ
172	اللہ سبحانہ کے ارادہ عشریہ کی مثال
173	ارادہ کونیہ کی مثال
173	ارادہ کونیہ کی دوسری مثال
176	پانچواں شبہ
176	ازالہ
179	"گرہ دار دم کردہ دھاگا"
182	چھٹا شبہ
182	ازالہ
183	عقیدہ، تسلیث؟
183	ساتواں شبہ
183	ازالہ
185	اذن کا معنی
186	انبیاء علیہم السلام کے مجررات کو جادو کیوں کہا گیا؟
188	سَحْرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ کا معنی و مفہوم
191	لا تبدیل لخلق اللہ کا مفہوم
194	انسانی آنکھ کی حالت کا تبدیل ہونا

197	یؤمنون بالجنت ”کا صحیح مفہوم	*
200	ایمان کی تعریف	*
205	اللہ کی لعنت کا مستحق کون ہے؟	*
207	احادیث سحر اور جدید معززہ کے ”حائل و عقل سليم“	*
210	کیا احادیث سحر، احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں	*
211	برکاتِ نبویہ	*



تقریظ و تصدیق از

سند الفضلاء و رأس العلماء ، ماهر اسماء الرجال و صادق
الأحوال والمقال ورئيس المناظرین فضیلۃ الشیخ

ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

مفتش و رئيس مرکز الحسن للتعليم والتربية الإسلامية لاہور

((الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده اما بعد!

تمام عقائد دینیہ و احکامات شرعیہ کا مدار و انحصار دلائل شرعیہ یعنی قرآن مجید اور احادیث
و سنن مصطفیٰ ﷺ پر ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ حدیث رسول بھی شرعی دلیل ہے اور اس پر
امم مسلمہ کا اتفاق چلا آرہا ہے۔ بعض معزز لہ کے اور ان کے افکار سے متاثر افراد نے حدیث
رسول کے حوالے سے بالخصوص زبان درازی کرنی شروع کر رکھی ہے اور عقائد میں اخبار آجاد کو
غیر معتبر قرار دیا ہے۔ حالانکہ جب کوئی حدیث ، رسول اللہ ﷺ سے صحیح اور معتبر ذرائع
و وسائل سے ثابت ہو جائے تو وہ بھی عقائد اسلامیہ کے باب میں جمعت اور دلیل شرعی ہے۔

منکرین احادیث نبویہ گرگٹ کی طرح آئے روزگرگ اور پیغمبرے بدلتے رہتے ہیں ،
اور امت مسلمہ کے اجمائی عقیدے پر اپنی عقل ناروا کے تیشے چلاتے اور انہیں ایرانی اور عجمی
سازشوں کے افسانے بناتے رہتے ہیں۔ اور صدھا محدثین و ائمہ کرام کی بیان کردہ احادیث ،
صحیح کو یک لخت بے کار اور بے فائدہ بنا دیتے ہیں۔

امت مسلمہ کے مسلمہ نظریات میں سے سحر اور جادو کا مسئلہ بھی ہے اور اس کا عارضہ نبی
کریم ﷺ کو ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے شفائے کاملہ عاجلہ نصیب فرمادی ، اور اس بات کا تذکرہ
ان احادیث کی کتب میں موجود ہے جن کی صحت پر ائمہ جرج و تعلیل کا اتفاق و اتحاد

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

10

ہے۔ لیکن طوائف مبتدع اور فرق ضالہ نے دسائیں شیطانیہ اور وسائل طاغوتیہ کو بروئے کار لا کر ان میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی سعی لا حاصل کی اور عوام الناس کی گمراہی کا باعث ہو کر ضلوا وَ أَضْلُوا كَمَصْدَاقٍ بَنَ گئے۔

عصر حاضر کے کئی ایک معتزلہ نے اہل السنة کے لبادے میں اپنی دسیسہ کاریوں کا تماشہ عوام الناس کے سامنے پیش کیا ہے اور سحر علی النبی ﷺ کے مسئلہ کو اچھا کر کتب احادیث کو مندوش و مکذوب بنانے کی جہدِ حطیل کی ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے نابغہ روزگار اہل علم پیدا کیے جنہوں نے طوائف مبتدع کے شکوک و شبہات کا نہ صرف ازالہ کیا بلکہ امر مسلمہ کے لیے راہِ صواب کا تعین کیا، اور انہیں جادہِ مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے شانہ روز جہدِ پیغم اور ہمت مسلسل کی۔

اسی سلسلہِ مر وار یاد اور سموط ذیبیہ کی ایک کڑی ہمارے فاضل بھائی، عمدۃ الْحُجَّۃِ، نجم الملہ والدین حضرت مولانا قاری عصمت اللہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ جنہوں نے اس نازک موضوع پر قلم اٹھا کر منکرین کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ اور لوحِ ادب پر بیش بہا از ہمارہ متاثرہ کو جمع کر دیا، اور اس موضوع پر دو سخن پا کر قارئین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا، اور الفاظ و معانی کی جسم تعبیروں کو عام و خاص کی نگاہوں کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔

اس کتاب میں اشکالات و اعتراضات کے غموض و اخفاء کو بڑے احسن پیرائے میں حل کر دیا ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر غوامضِ مہمہ کا کشف، رفع اشکالات کا دفینہ اور قرآن و سنت کے دلائل کا خزینہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قاری عصمت اللہ صاحب حفظہ اللہ کی ہمت کو مزید غلوٰ نصیب فرمائے اور نہ ہبی ٹھکنوں کی ٹھکانی کی توفیق نصیب فرمائے، اور لوگوں کی ہدایت کا وسیلہ اور راہنمائی کا کفیلہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ابو الحسن مبشر احمد ربانی عفاف اللہ عنہ

۲۰۰۷/۲/۱۹

ابتدائیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد! جو لوگ اپنی عقل کو احادیث کی صحت وضعف کے بارے میں حکم ٹھہراتے ہیں اور ”محال“ و نادر الواقع کے درمیان فرق کیے بغیر ہر اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں جو انہیں اپنی عقل کے مطابق خلاف قرآن نظر آتی ہے، وہ درحقیقت اپنی خواہشات کے اسیروں اپنی ہی عقل کے فریب خورده ہیں، اور یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتے کہ جو امور عقل کے ذائزہ کا رے باہر ہیں، عقل ان کے بارے میں کس طرح درست فیصلہ دے سکتی ہے۔ جدید منکرینِ حدیث زیادہ تر انہی احادیث کی تکذیب کرتے ہیں جن کے بارے میں انکی اپنی عقل یہ فیصلہ دے دے کہ یہ احادیث خلاف قرآن ہیں۔ خواہ وہ احادیث، ذخیرہ احادیث کا صحیح ترین اور معنبر ترین حصہ ہی کیوں نہ ہوں اور پوری امت انہیں صحیح سمجھنے پر متفق ہی کیوں نہ ہو۔ اور خواہ ان کا تعلق امور غیبیہ یا امور خوارق کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، جدید منکرین ان میں عقلی گھوڑے دوڑانے کو علم و تحقیق کی معراج سمجھتے ہیں۔

یہ مذہبی المیہ اب حقیقت کا روپ دھار چکا ہے کہ نفسانیت کی تکمیل کیلئے احادیث صحیحہ کے خلاف جوشورش برپا ہے اس کے نتیجے میں بہت سی احادیث صحیحہ جن کو امت مسلمہ آج تک قابل احتجاج اور لائق استدلال سمجھتی آئی ہے، اب بازی پچھا اطفال بن کر رہ گئی ہیں۔ بہت سے علمی حقائق کو مجنوں کی بُوقرار دیا گیا ہے اور متفق علیہا احادیث رسول اللہ ﷺ کو یہود کی سازش قرار دے کر ٹھہکرا یا جارہا ہے۔

احادیث نبویہ کو سلف صالحین اور ائمہ دین کے منتج کے مطابق قبول کرنے کی بجائے اپنی

عقل پر پر کھنے کا یہ قصہ بے ہودہ بھی ہے اور فرسودہ بھی۔ یہ دراصل متعزلہ کی عقلیت پسندی کا ”کارنامہ“ ہے جو ہر اس حدیث کو تحریر دیا کرتے تھے جو ان کے اپنے خود ساختہ معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔ مگر جدید منکرین کا یہ پر اگنہہ ذہن اور مغرب زدہ طبقہ اپنے بارے میں کتنا ہی خوش خیال کیوں نہ ہو، عند تحقیق قرآن و حدیث کے فہم و بصیرت میں پر کاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا۔ اُنکے خود ساختہ معیار کے مطابق قرآن و حدیث کو نئے سرے سے جانچنے کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ قبول احادیث میں پوری امت انارکی اور منتشر الخیالی کاشکار ہو جائے، ان کا کوئی منبع رہے نہ اصول، حسب خواہش و عقل جس حدیث کو چاہیں قبول کریں اور جسے چاہیں قرآن کی مخالف کہہ کر رد کر دیں۔

اس طرح نصوص شرعیہ پر اپنی عقل کے تیسے چلانے کا نام یہ لوگ ”تحقیق“ رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ تحقیق نہیں بلکہ قرآن و حدیث میں تشكیک پیدا کرنا ہے جو کسی درجہ میں بھی پسندیدہ اور قبل تعریف کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ لوگ ایک طرف تو اس ذخیرہ احادیث کو بھی غیر معتبر اور مشکوک ٹھہرانا چاہتے ہیں جس کے جامعین نے ہر ممکن حد تک صحت کا التزام کیا ہے اور دوسرے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جن ائمہ اسلام اور فقهاء عظام نے حدیث نبوی کو اوڑھنا پچھونا بنا رکھا تھا، وہ احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ کے مابین فرق و امتیاز کی البتہ وصلاحیت سے قطعاً غافل اور بے بہرہ تھے۔ نیز کتاب اللہ القرآن کے علوم و مضامین سے اس قدر نا آشنا تھے کہ قرآن مقدس کی صرتح مخالف احادیث کو بھی پورے تسلسل اور ذمہ داری کے ساتھ ”صحیح“ اور قبل احتجاج قرار دیتے رہے۔ نیز مقام نبوت کی صحیح تعبیر سے اس حد تک ناواقف تھے کہ توہین رسول پر مشتمل احادیث کو اپنی سندوں کے ساتھ روایت کر کے انکی صحت کی شہادت دیتے رہے۔ نعوذ باللہ مِنْ هَذِهِ الْخَرَافَاتِ۔

یعنی درحقیقت اس اندازِ فکر کے حاملین یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے دین و مذہب اور اسلاف کے بارے میں مشکوک و شبہات اور بدگمانی میں بتلا ہو کر ان کی تمام دینی خدمات اور

جملہ مسائی پر نظر تنفس پھیر دیں تا کہ جدید معزز لہ کو اپنے افکار کی نشر و اشاعت کیلئے کھلا میدان میسر آئے۔ تعجب ہے کہ اپنی اس نامعقول اور ناروا طرزِ فکر کے باوجود یہ لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں منکریں حدیث میں شمار نہ کیا جائے بلکہ انہیں ان کے افکار سمیت ”اہل السنۃ“ سمجھ کر قبول کر لیا جائے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان لوگوں کیلئے کونسا نیا نام مناسب رہے گا البتہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ معزز لہ کی بھائی ہوئی راہ پر چل کر احادیث صحیح متفق علیہا کا انکار کرنے والے ”اہل السنۃ“ نہیں ہو سکتے۔

یہ بات بھی بلاشبہ صحیح ہے کہ علم پر کسی خاص قوم یا جماعت کی اجارہ داری نہیں ہے، اسلام پوری کائنات کا دین ہے اس لیے اس کا فہم و ادراک کسی خاص قوم تک محدود نہیں رہ سکتا۔ جو اسے سمجھنا چاہے بے شک پوری تحقیق کے ساتھ سمجھے بشرطیکہ علماء حق کی طرح صفاتِ صدق و اخلاص اور دیانت و النافع سے متصف ہو اور ذاتی خواہش و تعصیٰ مسلکی سے دور ہو۔ اب وہ وقت پھر آگیا ہے کہ اسلامی مصادر کے فہم و ادراک میں دخیل ہونے والے مستشرقین بالخصوص منکریں حدیث اور معزز لہ کا راستہ چہار سمت سے بند کر دیا جائے۔ ہماری یہ مختصر سی تصنیف بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیحین کی متفق علیہ حدیث حکم پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات اور شبہات دور ہو جائیں اور اس طرح انہیں اپنے ”افکار“ کو صحیح سمت دینے اور رجوع الی الحق کا موقع نصیب ہو جائے۔

ابوسفیان

عصمۃ اللہ ثاقب



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي اعطى كلّ شئ خلقه ثم هدى، فمن اتبع هداه فلا يضل ولا يشقى - وأن له لآخرة والأولى وانه لغفار لمن تاب وأمن وعمل صالحًا ثم اهتدى - والصلوة والسلام على رسوله الذي أنشأ على خلق عظيم فلما بلغ أشدّه واستوى، بعثه ليتمم به مكارم الأخلاق واجتبى، وأنزل عليه الكتاب المبين تذكرة لمن يخشى، فما ضلّ وما غوى ومانطق عن الهوى، تبيّن الله على لسانه ما يُحب ويُرضي، وأتَم عليه نعمته وأرشد الى الطريقة المثلثي، فمن أخذ بحديثه واقتدى فقد رشد واهتدى، ومن أعرض عنه فقد ضلّ وغوى اما بعد!

آج کل بعض جدید قسم کے "محققین" نے قرآن و حدیث سے ثابت شدہ مسائل کو اپنے خود ساختہ عقلی معیار پر کھنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس میں جاہل عالم کی بھی کوئی تمیز نہیں بلکہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عربی عبارت کی ایک سطربھی روانی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے۔ ایک طرف امت مسلمہ کے اجماعی مسائل ہیں اور دوسری طرف یہ "تحقيق" کرنے والے طالع آزمajoامت کے تمام مجتهدین اور جمہور محدثین و مفسرین کو قرآن و سنت سے نابلد اور جاہل ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ دینی علم سے نا آشنا اور نیم خوانندہ قسم کے لوگوں کا جذباتی استھان کر کے انکے دین وایمان بگاڑنے کا یہ عجیب دھنده ہے جس میں انہیں اپنی عاقبت خراب ہونے کا بھی احساس نہیں ہے۔

کبھی رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا جاتا ہے تو کبھی سحر علی النبی کا کوئی معراج

جسمانی کا منکر ہے تو کسی نے عذاب القبر جیسے اجتماعی عقیدے پر "تحقیق" کی آری چلا رکھی ہے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں قرآن مقدس کے خلاف ہیں۔ الغرض منکرینِ حدیث کی روشن پر چلتے ہوئے پوری کوشش کی جاتی ہے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کے معتبر اور صحیح ترین ذخیرے کو ایک سوچی سمجھی یہودی سازش ثابت کر دیا جائے۔

حر علی النبیؐ کا انکار کرنے والوں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ آخر آپ کس وجہ سے ایک ایسی بات کا انکار کرتے اور اسے قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں جسے معتزلہ یا منکرینِ حدیث کے سوا پوری امت کے اہل علم نے صحیح سمجھا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ جادو ایک کافرانہ عمل ہے اور پیغمبر کی ذات پاک اور معصوم ہوتی ہے، اسلیے جادو کے کسی عمل کا اثر پاک پیغمبر پر عارضی اور وقتی طور پر بھی نہیں ہو سکتا۔ مگر حیرت کا مقام یہ ہے کہ جب ان سے کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام تو سارے کے سارے پاک اور معصوم ہیں، کیا آپ صرف محمد رسول اللہ ﷺ پر اس عارضی اثر کے منکر ہیں یا جملہ انبیاء کرام کے بارے میں بھی آپ کا یہی عقیدہ ہے؟ تو ہر ممکن طور پر وہ اس سوال سے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

چند دن ہوئے ایک بزرگ نے کمپیوٹر کے پرنٹ سے نکالے ہوئے غیر مطبوعہ چند صفحات لا کر دیے جن پر "حر کارد" کا عنوان دیا گیا ہے۔ انہوں نے پر زور الفاظ میں مطالبه بلکہ چیلنج کیا کہ اگر آپ اس تحریر کا جواب دے دیں تو وہ صحیحین میں موجود احادیث ححر کو صحیح تعلیم کر لیں گے۔ ہم نے جواب لکھنے کا وعدہ تو کر لیا مگر تبلیغی مصروفیات کی وجہ سے کچھ تاخیر ہو گئی جس کے لیے ہم مذدرت خواہ ہیں۔

یہ تحریر تیار کرنے والے صاحب نامعلوم ہیں مگر ان چند صفحات سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ لکھنے والے کا ذہن معتزلہ اور منکرینِ حدیث کے افکار سے اس قدر آلودہ اور متعفن ہو چکا ہے کہ اس کے لفظ لفظ سے اسلاف امت محدثین و مفسرین کی توہین اور تذلیل کے چھینٹے اڑ رہے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہما) احادیث سحر کی نشر و اشاعت

کرنے اور انگلی حمایت کرنے والے لوگ ”مکار، تسکین ہوس کرنے والے، آنکھوں میں شیطانی چمک رکھنے والے اور اپنے معدود کو مرغ غذاوں سے بھرا رکھنے والے ہیں۔“

اس قسم کے بازاری الفاظ اور کو سنوں سے وہ امت مسلمہ کے جمہور محدثین و مفسرین اور ائمہ کرام کی تذلیل کر کے لوگوں کے دلوں سے عظمتِ حدیث کا جذبہ نکالنا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ تھکنڈے کوئی نئی چیز نہیں ہیں جن سے گھبرا کر قرآن و حدیث اور امت کے اجماع کا خون کر دیا جائے، یہ پرانے منکرینِ حدیث کے وہی چجائے ہوئے لئے اور وہی روندی ہوئی را ہیں ہیں جن کی حقیقت کئی بار واضح کی جا چکی ہے۔

معمولی بات کو عوام الناس کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ان لوگوں کا پرانا حرہ ہے۔ کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے کہ آپ کی زلفیں جھੜگئی تھیں، یا آپ کا بدن گھلتا جا رہا تھا، یا آپ کا کھانا پینا بند ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ احادیث صحیحہ میں ہے تو فقط یہ کہ آپ کو یوں خیال آتا کہ آپ فلاں کام کر چکے ہیں جبکہ فی الواقع نہیں کیا ہوتا تھا، یعنی:

((کان یُرُی اَنَّهُ يَاتِي النِّسَاءَ وَلَا يَاتِيهِنَّ))

[صحیح بخاری و صحیح مسلم]

”یعنی یہ خیال آتا کہ آپ ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں جبکہ گئے نہیں ہوتے تھے۔“

اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ کی ازدواجی قوتیں سلب ہو گئی تھیں؟ اگر واقع میں اسی طرح ہوتا تو حدیث کے الفاظ اس طرح ہوتے: ((کان یرید ان بیاضر النساء ولا يستطيع)) یعنی آپ کا ارادہ ہوتا کہ ازواج کے ساتھ مباشرت کریں مگر کرنہیں سکتے تھے۔“

ان الفاظ اور حدیث کے الفاظ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مگر جن کے کان محدثین کی برائی سننے کے عادی اور جن کی زبانیں اسلامی امت پر لعن طعن کرنے کی خوگر ہوں ان کے

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

سینوں میں بھڑکتی آگ اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی زہریلی گفتگو سے عوام الناس کے ذہنوں کو مسموم نہ بنالیں۔

منکرین حدیث سحر نے ”اخوان المسلمين“ کے بانی سید قطب شہید (متوفی 1966م) کے حوالے سے چند باتیں لکھی ہیں، ان کا ترتیب وار جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیے کہ اخوان المسلمين وہ تنظیم ہے جو مولانا مودودی کی قائم کردہ تنظیم ”جماعت اسلامی“ کی ہم مشرب سمجھی جاتی ہے۔ نیز سید قطب نہ تو متفقین مفسرین میں سے ہیں اور نہ ہی محدثین یا فقهاء میں ان کا شمار ہے بلکہ چودھویں صدی کے ایک عام ”مولانا“ ہیں جیسا کہ مولانا مودودی دامتہ۔ انکی کوئی بات امت کیلئے جوت ہے نہ نمونہ، بالخصوص جس نظریے میں وہ جمہور مفسرین و محدثین سے اپنی الگ راہ نکالیں اس میں تو انکی بات بالکل ہی قبل التفات نہیں ہے۔ مگر حیرت ہے کہ منکرین حدیث کو متفق علیہا احادیث کو تحرک نے کیلئے سہارا بھی ملا ہے تو چودھویں صدی کے ایک ”مولانا“ کا۔

اقسامِ سحر

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جادو مع جمیع اقسامہ صرف شیطان کی امداد و استعانت سے ہی اثر پذیر ہوتا ہے یا فقط شیطان ہی کے اثر اور غلبے کا نام جادو ہے، تو یہ بات قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے علمِ نجوم کو بھی ”سحر“ قرار دیا ہے۔

(نسائی، ابو داؤد، مسند احمد وغیرہ)

ظاہر ہے کہ علمِ نجوم کے سکھنے و سکھانے میں شیطان سے استعانت وغیرہ کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض بیانوں کو بھی ”سحر“ سے تعبیر فرمایا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ)

حالانکہ کسی خطبے یا بیان کے مؤثر ہونے میں شیطان کی پوجایا امداد یا اثر کا کوئی دخل نہیں

ہوتا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

((من عقد عقدة ثم نفت فيها فقد سحرالخ))

”جس نے گرہ لگائی اور پھر اس میں پھونک ماری تو اس نے جادو کیا۔“

(نسائی: 171، ح: 4011، مصنف عبدالرازاق رقم الحدیث: 19772 و طبرانی اوسط رقم الحدیث: 1525)

یعنی گرہ لگا کر پھونک مارنے میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ شیطان کو پکارنے کے بعد اور اس سے مدد مانگ کر پھونک لگائی جائے بلکہ مطلقاً گرہ لگا کر پھونک مارنے کو آپ ﷺ نے جادو قرار دیا۔ لہذا یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر کیے گئے جادوئی عمل میں شیطان کے کسی عمل و دخل کو تسلیم کیا جائے کیونکہ وہ جادو، گرہوں میں پھونکیں مارنے والے جادو کی قبیل سے ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ جادو کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((واما السحر فانه ضروب منه ما هو من قبل الكواكب كالطابع المنقوش فيه صورة عقرب فى وقت كون القمر فى العقرب فينفع امساكه من لدغة العقرب ومن هذا الباب كانت الطسمات ونوع آخر من السحر يكون بالرقى وهو كلام مجموع من حروف مقطعة فى طوالع معروفة ايضا يحدث لذالك التركيب قوة تستثار بها الطبائع وتدافع قوى آخر ، وقد شاهدنا وجربنا من كان يرقى الدمل الحاد القوى الظهور فى أول ظهوره فيبיס يبدأ من يومه ذالك بالذبول ويتم يسنه فى اليوم الثالث ويقلع كما تقلع قشرة القرحة اذا تم يبسها ، جربنا من ذالك مala نحصيه . وكانت هذه المرأة ترقى احد دمليين قد دفعا على انسان واحد ولا ترقى الثاني فيبiss الذى رقت ويتم ظهور الذى لم ترق ، ويلقى حامله منه الأذى

الشديد۔ وشاهدنا من كان يرقى الورم المعروف بالخنازير فيندمل ما يفتح منها ويندب مالم يفتح ويبراً كل ذلك البرء التام كان لا يزال يفعل ذلك في الناس والدواب ومثل هذا كثير جداً۔ وقد أخبرنا من خبره عندنا كمشاهدتنا لشقته وتجربينا لصدقه وفضله أنه شاهد مالا يحصى نساء يتكلمن على الذين يمخضون الزبد من اللبن بكلام فلا يخرج من ذلك اللبن زبد۔))

یعنی جادو کی کئی قسمیں ہیں، کچھ کا تعلق ستاروں کے ساتھ ہے جیسے ایسی انگوٹھی جس پر اس وقت بچھو کی تصویر بنائی جاتی ہے جب چاند عقرب (کے برج) میں ہو۔ پس اس کا پہننا بچھو کے ڈنے سے فائدہ دینا ہے۔ اسی باب میں سے طسمات ہیں..... جادو کی ایک اور قسم ہے جو دم کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور وہ بھی معروف طوالع (اور ساعات) میں متفرق حروف کو جوڑ کر ایک کلام بنائی جاتی ہے، اس ترکیب سے ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جس کے ذریعے طبیعتوں میں جوش کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے اور بعض دوسری قوتوں کو دور ہٹایا جاتا ہے۔

ہم نے بے شمار بار ایک ایسے آدمی کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے جو شروع میں پوری قوت سے نکلنے والے پھوڑے پر دم کرتا تھا تو وہ پھوڑا اسی دن سے ہی مر جانے اور سوکھنے لگ جاتا تھا تھی کہ تیرے دن مکمل طور پر سوکھ جاتا تھا اور اس پر سے اس طرح کھرنڈ اترتا تھا جس طرح زخم کے خشک ہو جانے کے بعد اترتا ہے۔

اسی طرح ایک عورت ایک ہی آدمی کے بدن پر نکلے ہوئے دو پھوڑوں میں سے ایک پر دم کرتی تھی تو وہ سوکھ جاتا تھا، اور جس پر دم نہیں کرتی تھی وہ پوری طرح نکلتا تھا اور پھوڑے والے آدمی کو اس سے شدید تکلیف ہوتی تھی۔

اور ہم نے ایک ایسے آدمی کا مشاہدہ کیا جو خنازیر کے ورم پر دم کیا کرتا تھا پس جو ورم پھوٹ چکا ہوتا، وہ مندل ہو جاتا تھا اور جو بھی نہیں پھوٹا ہوتا تھا وہ مر جھا جاتا تھا۔ وہ آدمی اسی طرح انسانوں اور چوپائیوں پر دم کیا کرتا تھا اور اس قسم کی بہت ساری مثالیں ہیں۔

اور ہمیں ایک ایسے آدمی نے خبر دی ہے جس کی خبر ہمارے ذاتی مشاہدے کی مثل ہے کیونکہ ہم اس کی ثقاہت اور فضل و صداقت کا مشاہدہ و تجربہ کر چکے ہیں، کہ اس نے ایسی عورتوں کا مشاہدہ کیا جو دودھ بلوکر مکھن نکالنے والوں کے خلاف دم کرتی تھیں تو پھر اس دودھ سے ذرا بھی مکھن نہیں نکلتا تھا۔“

(الفصل فی المثل ولا ہوا و انخل: 5/45 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اسکے بعد حدیث سحر کا ذکر کرتے ہوئے امام ابن حزم لکھتے ہیں:

((وكذاك ما روى أن النبي ﷺ سَحَرَه لبيد بن الأعصم فولد ذلك عليه مرضًا حتى كان يظن أنه فعل الشَّرْيَى وهو لم يفعله فليس في هذا ايضاً حالة طبيعة ولا قلب عين وانما هو تأثير بقوة لتلك الصناعة كما قلنا في الظلامات والرق))

اور وہ روایت شدہ واقع بھی اسی طرح ہے کہ لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر جادو کیا تو اس سے آپ پر ایسی تکلیف واقع ہوئی کہ آپ خیال کرتے کہ (فلان) کام کر چکے ہیں جبکہ نہ کیا ہوتا۔ تو اس میں مزار شریف کا حالہ یا قلب ماہیت مراد نہیں ہے بلکہ یہ اس کارگیری (یعنی جادو) کی قوت کی تاثیر کی بنابر تھا جیسا کہ ہم نے ظلمات اور دموم کے بارے میں کہا ہے۔“

(ایضاً: 5/6)

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ جادو کی ایک قسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

((ومنه ما يكون كلاماً يحفظ ورُقُّي من اسماء الله تعالى .))

”اور جادو کی ایک قسم کلام اور اسماء الہی کی صورت میں ہوتی ہے جنہیں حفظ کیا جاتا ہے۔“

(تفسیر قربی: 2/44)

اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تھا اس کا تعلق اسی قسم کے دم سے تھا، اس میں شیطانی اثرات اور غلبے وغیرہ کا قطعاً کوئی دخل نہیں تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ امام ابن حزمؓ کے نزدیک بھی حدیث سحر موضوع یا خلاف قرآن نہیں ہے۔

جہاں تک شیطان کے کسی عمل کا اثر ہونے کا سوال ہے تو ایسا کوئی اثر جو اپنا تسلط اور قبضہ جما سکے، کسی عام مومن مقنی پر بھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ وسوسہ اندازی اور نیسان وغیرہ کا وقتی یعنی عارضی اثر ہو سکتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آتَمُنَا وَعَلَى رِبِّهِمْ يَعْتَكِلُونَ ۝﴾ (النحل: ١٦)

”اس کا غلبہ نہیں ہو سکتا ان لوگوں پر جو ایمان لے آئے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

یعنی اہل ایمان و اہل توکل پر شیطان پوری طرح قبضہ نہیں جما سکتا۔ اگر بمقتضائے بشریت ایسے لوگوں پر شیطان کا وسوسہ وغیرہ اثر انداز ہو بھی جائے تو اسکی مدت نہایت مختصر اور قلیل ہوتی ہے۔ وہ جلد ہی اس اثر سے باہر نکل آتے ہیں اور غفلت میں تماڈی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقُوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبَصِّرُونَ ۝﴾ (الاعراف: ٢٠١)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے تقوی اختیار کیا، جب مجھوں لے ان کو شیطان کا گذر (یعنی وسوسہ واپس اور غیرہ) تو وہ یاد کرتے ہیں، پس جلد ہی ان کو سوچ جاتی

ہے۔“

اہل تقویٰ پر اس قسم کے عارضی اثر کی تفصیل قرآن مقدس کے درج ذیل مقامات سے
بھی واضح ہو رہی ہے، مثلاً!

۷ وسوسہ کا اثر:

سیدنا آدم علیہ السلام کو ربِ ذوالجلال نے منع فرمادیا کہ جنت میں جہاں چاہو رہو اور جو
چاہو کھاؤ پیو مگر فلاں درخت کے زندگی نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ مگر آدم علیہ
السلام اس درخت کے قریب بھی گئے اور اسکا پھل بھی کھالیا۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدُمْ هَلْ أَذْلِكَ عَلَى شَجَرَةِ
الخُلْدِ وَمُلْكِ لَنَا يَبْلُغُ ۝ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَأَتْ لَهُمَا سَوْأَتُهُمَا وَطَفِقَا
يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَى آدُمْ رَبَّهُ فَغَوَى ۝﴾

(ط آیت نمبر: 121,120)

”پس وسوسہ والا شیطان نے آدم علیہ السلام کے جی میں اور کھا اے آدم! کیا میں
تمہیں بتاؤں درخت ہمیشہ زندہ رہنے کا اور ایسی بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔ پس ان
دونوں نے اس درخت میں سے کھالیا، پس ظاہر ہو گئیں ان پر انکی بری چیزیں اور
گانٹھنے لگ گئے اپنے اوپر پتے، بہشت کے، اور بالا آدم نے حکم اپنے رب کا پس
راہ سے بہک گیا۔“

مذکورہ بالا آیات سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام پر شیطان لعین کے وسوسے
اور بہکاوے کا اثر ہو گیا جس کی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ کے منع کردہ درخت کا پھل کھالیا
کہ شاید اس طرح انہیں ہمیشہ کی زندگی اور بادشاہی مل جائے گی۔

مگر یہ اثر ہمیشہ کے لیے اور دیر پا نہیں تھا۔ آدم علیہ السلام نے جب حق تعالیٰ کا اعتاب آمیز حکم سنا اور جنت سے باہر آگئے تو بحالتِ ندامت و انفعال گریہ زاری کرنے لگے۔ اس حالت میں اللہ سبحانہ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القاء والہام کے طور پر بتلائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

✓ حدیث: ام المؤمنین صفیہ بنت حبیبؓ فرماتی ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، میں ان سے ملنے گئی پس تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد جب میں واپس پہنچنے لگی تو آپ ﷺ بھی میرے ساتھ ہو لیے تاکہ مجھے گھر تک پہنچا دیں۔ اسی اثناء میں دو آدمی (اسید بن حفیزؓ، عباد بن بشرؓ) گزرے، جب انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک کر فرمایا: یہ میرے ساتھ صفیہ بنت حبیبؓ ہے۔“ ان دونوں نے کہا یا رسول اللہ سبحان اللہ (یعنی آپؐ کے بارے میں کوئی ایسا ویسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا) آپؐ نے فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْأَنْسَانِ مَجْرِيَ الدِّمَ وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمْ سوءًا وَقَالَ شَيْئًا))

”یعنی بے شک شیطان، انسان کے خون کی رگوں میں چلتا ہے، مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی براخیال نہ ڈال دے۔“

(صحیح بخاری: 1/464۔ صحیح مسلم کتاب السلام رقم الحدیث: 4041۔ ابو داؤد باب المعتک یغل الیت لحاجۃ۔ رقم الحدیث: 1132 دباب فی حسن الظن: رقم 4342۔ ان مجہ باب المعتک یزورہ فی المسجد، رقم الحدیث: 1769۔ منhadم، مندانس بن مالک، رقم الحدیث: 12132، 13531)

معلوم ہوا کہ اہلِ تقویٰ پر بھی شیطان کے وسوسہ وغیرہ کا واقع اثر ہو سکتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صحابہ کرامؓ پر صورت حال واضح فرمادی تاکہ وہ کسی قسم کے

وسوہ کاشکار نہ ہو جائیں۔

ازلال (پھسلانا)

شیطان نے اللہ کے نبی آدم ﷺ کو پھسلا دیا اور آپ کو جنت سے نکلوا دیا۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَأَزَّ لَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ﴾

(البقرہ آیت نمبر: 36)

”پس پھسلا دیا ان دونوں (آدم و حواء) کو شیطان نے اُس جگہ سے اور نکال دیا انکو اس جگہ سے جس میں وہ رہتے تھے۔“

حدیث: ایک صحابی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

((یا رسول اللہ ﷺ ان الشیطان قد حال بینی و بین صلاتی و قراءتی یُلیسُها علیٰ فقال رسول الله ﷺ : ”ذاك شیطان يقال له خنزب فإذا أحسسته فتعوذ بالله واتقل علىٰ يسارك ثلاثاً قال ففعلت ذلك فاذبهه الله عنی))

”یا رسول اللہ ﷺ ! میری نماز و قراءت اور میرے درمیان شیطان رکاوٹ بن جاتا ہے (یعنی مجھے نماز و قراءت کی لذت اور خشوع سے روک دیتا ہے) اور مجھے شک میں مبتلا کر دیتا اور خلط ملط کر دیتا ہے (یعنی نماز اور قراءت کے بارے یاد نہیں رہتا کہ کتنی پڑھی ہے اور کتنی باقی ہے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ خنزب نامی شیطان ہے، پس توجہ اسے محسوس کرے تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر باہمیں طرف تھوک دیا کرتیں بار۔ وہ صحابی کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔“

(صحیح مسلم: 224 و مسنون احمد، ح: 17224)

وہ صحابی اور رسول ﷺ پہلے بھی تعوذ پڑھتے ہوئے، کم از کم نماز میں قراءت سے قبل تو یقیناً پڑھتے ہوئے مگر اسکے باوجود شیطان تلمیس ووساوں کے ذریعے انکی نماز و قراءت میں حائل ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک مخصوص طریقے سے استعاذه سکھایا تو شیطان کا وسوسہ وغیرہ دور ہو گیا۔

ایذا پہنچانا

سیدنا ایوب علیہ السلام نے یماری کے وقت جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ کو پکارا، قرآن مقدس نے انہیں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿ وَأَذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبْ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِي الشَّيْطَانُ بِنُصُبٍ وَعَذَابٍ ﴾ (ص: 41)

”اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو۔ جب اس نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگادی شیطان نے ایذا اور تکلیف۔“

جن امور میں شر یا ایذا یا کسی مقصد صحیح کے فوت ہو جانے کا پہلو ہو انہیں شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر ان چیزوں کا سبب قریب یا بعید کسی درجہ میں شیطان ہوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے حالٰت شدت مرض میں شیطان القاؤ ساوس کرتا ہوگا اور آپ اسکی مدافعت میں تعب و تکلیف اٹھاتے ہوئے۔ بہر حال درج بالا آیت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ شیطان کی طرف سے انبیاء کرام کو تکلیف اور ایذا پہنچ سکتی ہے۔

۷ عام مومن و متقیٰ شخص کو بھی شیطان اپنی حرکتوں سے ایذا پہنچ سکتا ہے۔ جیسے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کی آنکھ میں شیطان اپنے ہاتھ سے چھپن پیدا کر دیتا تھا۔

(ابوداؤد، رقم المحدث: 3877)

۸ اسی طرح ایک اور صحابیہ فاطمۃ بنت ابی حییش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں اپنی تکلیف بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((سبحان الله ! هذا من الشيطان))

"یہ (تکلیف دہ) حرکت شیطان کی طرف سے ہے۔"

(ابوداؤد باب من قال تجمع بین صلاتین و تغلل بهما غسل رقم المحدث: 254۔ الحجۃ الکبیر للطبرانی: 24/139)

محمّم کے محقق اور مخترج حمدی عبدالمجید السلفی کہتے ہیں:

((وهو حديث صحيح)) یعنی یہ حدیث صحیح ہے، (ایضاً)

اسی طرح ایک اور صحابیہ حمّة بنت جحش رضی اللہ عنہا کی تکلیف کے بارے میں فرمایا:

((انما هذه ركضة من ركضات الشيطان))

"یعنی یہ تکلیف شیطان کی حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے۔"

(ترمذی باب ما جاء في استحاضة أنها تجمع بين الصلاتين، رقم المحدث: 118۔ ابوداؤد باب من قال اذا أقبلت الحجه

تمدع الصلوة، رقم المحدث: 287۔ مسند احمد رقم المحدث: 26202۔ مؤظلا امام مالک باب جامع الطواف، رقم

الحدیث: 729۔)

اس حدیث کو امام بخاری، امام احمد اور امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

جملہ علوم و فنون کے مسلم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والشياطين يوالون من يفعل ما يحبونه من الشرك والفسق

والعصيان ، فتارة يخبرونه بعض الأمور الغائبة ليكشف

بها ، وتارة يؤذون من يريد أذاه بقتل وتمريره ونحو ذلك))

"یعنی جو شخص شیطان کے پسندیدہ کام جیسے شرک اور فرق و فجور کا مرکب

ہو، شیاطین اس کے ساتھ دوستی کر لیتے ہیں۔ پس کبھی اسے کسی غیبی معاملے کی خبر

دے دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنا صاحب کشف ہونا ظاہر کرے اور کبھی

اس (شیطان کے دوست ساحر) کا جس کسی کو ایذا اپنچانے کا ارادہ ہو، اسے قتل

اور بیمار کرنے کے ذریعے ایذا پہنچاتے ہیں۔“

(قاعدة جليلة في التسل والوسائل ص: 29)

کسی کام یا بات سے بھلا دینا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جو لوگ آیات اللہ پر طعن و استہزاء اور ناقص نکتہ چینی میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو مستحق عذاب بنا رہے ہیں، آپ ان سے میل جوں نہ رکھیں اور ان کی اس قسم کی محفلوں سے کنارہ کش ہو کر رہیے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿وَإِمَّا يَنْسِينَكُ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (الانعام: 68)

”اوہ اگر بھلا دے آپ کو شیطان، تو یاد آجائے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ مت بیٹھیے۔“

یعنی اگر شیطان کے بھلانے سے آپ بھول کر ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھ بھی جائیں تو ہمارا حکم یاد آجائے کے بعد آپ ان کے پاس بیٹھنے نہ رہیں بلکہ وہاں سے اٹھ جائیں۔

☆ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اپنے رفیق سفر کے ساتھ ایک مچھلی لیکر خضر علیہ السلام کی ملاقات کی غرض سے عازم سفر ہوئے تو مطلوبہ مقام پر پہنچ کر آپ کو نیند آگئی مگر رفیق سفر جاگ رہے تھے۔ اسی اثناء میں مچھلی تو شہداں سے نکل کر دریا میں چلی آگئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام جا گئے تو رفیق سفر کو مچھلی کے بارے میں بتانا یاد نہ رہا۔ مطلوبہ مقام سے آگے نکل جانے کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا نا طلب کیا تو اس وقت رفیق سفر کو مچھلی کا قصہ یاد آیا اور کہا:

﴿فَأَنَّى نَسِيْثُ الْحَوْثَ وَمَا أَنْسَانِيْهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرْهُ﴾

(الکھف: 18)

”میں مچھلی کے بارے میں بھول گیا اور مجھے مچھلی کے بارے میں شیطان نے بھلا دیا کہ آپ سے اس کا ذکر کروں۔“

یعنی میرا بھول جانا شیطان مردود کے بھلانے سے ہوا رہنے میں اسی وقت آپ کو بتا دیتا۔

کسی کے خلاف اکسماں

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں:-

﴿وَمَا يَنْزَغِنُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ طَإِنَّهُ سَمِيعٌ﴾ (الاعراف: 200. حم سجدہ: 36)

”اور اگر ابھارے آپ کو شیطان کی چھپیر تو پناہ مانگیے اللہ سے وہی ہے سننے والا، جانے والا۔“

یعنی اگر جاہل مشرکین کی نالائق حرکتوں پر بمحضہ بشریت آپ کو غصہ آجائے اور شیطان یعنی چاہے کہ وسوسہ وغیرہ کے ذریعے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کرے جو خلاف مصلحت ہو تو فوراً اللہ سے پناہ مانگیے۔

قرآن اور حدیث سحر میں موافق

”مویٰ علیہ السلام اور جادوگر جب آمنے سامنے ہوئے تو جادوگروں نے کہا:

”یا آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالتے ہیں تو آپ نے فرمایا: تم پہلے ڈالو۔“

انکی رسیاں ڈالنے کے بعد مویٰ علیہ السلام کو جو کچھ نظر آیا اسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان

فرمایا:

﴿فَإِذَا حَبَالُهُمْ وَعَصِيهِمْ يَخْيِلُ إِلَيْهِ مِنْ سَحْرِهِمْ أَنْهَا تَسْعَى﴾ (طہ: 66)

”پس اسی وقت انکی رسیاں اور لاثھیاں انکے جادو کی وجہ سے مویٰ کو یوں دکھائی

”پس اسی وقت انکی رسیاں اور لاثھیاں انکے جادو کی وجہ سے مویٰ کو یوں دکھائی

دینے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔“

یعنی ساحرین کے جادو کی وجہ سے موئی علیہ السلام کو یوں خیال ہونے لگا کہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں حالانکہ واقع میں ایسا نہ تھا۔ چونکہ ساحرین کا جادو آپ کی قوت متحیله پر اثر انداز ہوا اس لیے ساکت و جامد لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس پر آپ کو حق کی مغلوبیت کا ذر پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ گھبرائے نہیں انجام کار آپ ہی غالب رہیں گے۔ آپ داہنے ہاتھ میں موجود اپنا عصاز میں پر ڈال دیجیے تاکہ وہ جادوگروں کے بنائے ہوئے جادو کو نگل جائے۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ ایک جادوگر کی خفیہ تدبیر ہے (اور آپ کا عصا جو کچھ کرے گا وہ ایک مجذہ ہے، مجذہ کے مقابلہ میں جادوگر کا حرہ کب ٹھہر سکتا ہے) جادوگر کبھی فلاخ نہیں پاسکتا۔

موئی علیہ السلام پر جادو کا یہ اثر (ساکت و جامد لاٹھیوں اور رسیوں کو دوڑتا ہوا محسوس کرنا) جتنی دیر بھی رہا ہوا سے اتنی بات تو یقینی طور پر ثابت ہو گئی کہ عارضی طور پر پیغمبر پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ اس سے نہ تو پیغمبر کی عصمة میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ ہی انکی شان و عظمت میں تنقیص کا کوئی پہلو لکھتا ہے۔ بلکہ اس قسم کے واقعات انہیاء علیہم السلام کی نبوت کی صداقت اور حقانیت کی دلیل سمجھے جاتے ہیں کیونکہ بالآخر شیطان اور جادوگر خائب و خاسر اور مغلوب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیاء علیہم السلام کو غالب کر دیتا ہے۔

اب اسی واقعہ میں دیکھ بیجیے کہ عصا ڈالنے کے بعد جادوگروں کا جادو جب مغلوب ہو گیا تو تمام کے تمام جادوگر موئی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے کسی ایک کے دل میں بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ تھوڑی دیر پہلے جو شخص انکے جادو سے متاثر ہو گیا تھا اور اپنی مغلوبیت کا خوف کر رہا تھا، اسے وہ اللہ کا ایک بزرگ زیدہ معصوم پیغمبر کس طرح مان لیں۔ بلکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ موئی علیہ السلام اپنے کسی فن اور طاقت سے ان پر غالب نہیں آئے، یہ کوئی اور ہی ان دیکھی ہستی ہے جو اس قدر عظیم اور طاقتور ہے کہ اس نے ”سحر عظیم“ جیسے جادو کو بھی ایک

عصا کے ذریعے فنا کر دیا ہے۔

ہر چیز کو اپنی عقل کے ترازو پر تو نے والوں کو اس واقعہ میں پیغمبر کی تنقیص کا پہلو تلاش کرنے کی بجائے اپنی عقل کا علاج کرنا چاہیے کہ ایک جادوگر اور غیر مسلم نے تو اسے نبوت کی صداقت کی دلیل سمجھا مگر ایک مدعا اسلام شخص اسے نبوت کیلئے عیب ثابت کرنے پر ڈھنی ورزشیں کر رہا ہے۔

بالکل اسی طرح جادو کی وجہ سے تخیل میں تبدیلی کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((سُحْرٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّىٰ أَنْ لِيَخِيلَ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّيْءَ

وَمَا فَعَلَهُ)) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

”یعنی آپ ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپؐ کے خیال میں آتا تھا کہ فلاں کام کر لیا ہے حالانکہ نہیں کیا ہوتا تھا۔“

یعنی مویٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کی بھی قوت متحیله متاثر ہوئی جس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سارا معاملہ آپؐ پر کھول دیا اور آپؐ کو عافیت و شفاء عطا فرمائی۔

اس حدیث کی صحت پر امت کا اتفاق ہے

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((هذا الحديث ثابت عند اهل العلم بالحديث متلقى بالقبول بينهم ، لا يختلفون فى صحته----- وقد رواه غير هشام عن عائشة وقد اتفق اصحاب الصحيحين على تصحيح هذا الحديث ولم يتكلم فيه احد من اهل الحديث بكلمة

واحدة والقصة مشهورة عند اهل التفسير والسنن والحديث والتاريخ والفقهاء وہئولاء اعلم باحوال رسول الله ﷺ وايامه من المتكلمين (الخ))

”یعنی یہ حدیث اہل علم کے نزدیک ثابت ہے اور اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے (معزلہ متكلمين کے سوا) کسی ایک نے بھی اسکی صحت کا انکار نہیں کیا۔ ہشام کے علاوہ بھی کئی راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر حرف گیری نہیں کی۔ یہ واقعہ سب مفسرین، محدثین، فقهاء اور موئخین کے ہاں مشہور و معروف ہے اور یہ حضرات آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے حالات کو معزلہ متكلمين سے زیادہ جانے والے ہیں۔“

(بدائع الفوائد: 2/740، تحقیق علی بن محمد العران خطبوء دار عالم الفوائد مکتبۃ المکتبۃ)

امام ابن قتیبه الدینوری رحمہ اللہ (۲۷۶ھ) اس حدیث کا انکار کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

((ونحن نقول ان الذى يذهب الى هذا مخالف للمسلمين ومخالف للقرآن معاند له بغير تأويل لأن الله جل وعز قال لرسوله ﷺ (قل أَعُوذ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَاثَاتِ فِي الْعَقْدِ) فأعلمنا أن السواحر ينفعن في عَقْدٍ يعقدنها كما يتفل الرافق والمعوذ وقد روی ابن نمير عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها: وهذا طريق مرضى صحيح أنه قال حين سُحر الى ان قال ولا حملة هذا الحديث كذابين ولا متهمين ولا

معادین لرسول اللہ ﷺ

”یعنی ہم کہتے ہیں کہ جو شخص یہ مذہب رکھتا ہے (کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا) وہ بلا تاویل مسلمانوں (بلکہ تمام اہل ادیان سماویہ) اور قرآن کا مخالف و معاند ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرمایا: کہیے! میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، ہر چیز کے شر سے جو اس نے بنائی، اور اندر ہیرے کے شر سے جب سمٹ آئے، اور گانہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے (یعنی وہ عورتیں یا وہ جماعتیں یا وہ نفوس مراد ہیں جو ساحرانہ عمل کرنے کے وقت کسی تانت نیا رسی یا بال وغیرہ میں کچھ پڑھ کر اور پھونک مار کر گرہ لگایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے گرہ لگائی پھر کچھ پڑھ کر اس میں پھونک ماری، اس نے جادو کیا) پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ جادو گر نیاں گر ہیں لگا کر ان میں پھونک مارتی ہیں جس طرح کہ دم اور تعویذ کرنے والے پھونک مارتا ہے۔ اور ابن نمیرؓ نے ہشام بن عروۃؓ سے اور ہشامؓ نے اپنے والد عروۃؓ سے اور عروۃؓ نے امام المؤمنین عائشہؓ سے حدیث صحیح اور سنده مصحيح اور سنده مسندیدہ ہے۔ اور اس حدیث کے حاملین نتو چھوٹے ہیں اور نہ جھوٹ کے ساتھ متهم ہیں اور نہ ہی وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (معاذ اللہ) عداوت رکھنے والے ہیں۔“

(کتاب تاویل مختلف الحدیث ص: 121 مطبوعہ دارالکتاب العربی یہودت۔ لبنان)

یعنی کوئی ایک بھی معقول وجہ ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر اس متفق علیہ حدیث کا انکار کیا جائے۔

مفسر حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((والمعزلة أنكروا صحة هذه الرواية المذكورة وتاثيرَ

السحرٍ فيه عليه السلام وقالوا كيف يمكن القول بصححتها والله تعالى يقول والله يعصمك من الناس وقال ولا يفلح الساحر حيث اتي و لأن تجويزه يُفضي الى القدح في النبوة و لأن الكفار كانوا يعيرونها بأنه مسحور فلو وقعت هذه الواقعة لكان الكفار صادقين في تلك الدعوى ولحصل فيه عليه السلام ذكر العيب ومعلوم أن ذلك غير جائز و قال اهل السنة صحة القصة لا يستلزم صدق الكفارة في قولهم أنه مسحور وذلك لأنهم كانوا يريدون بكونه مسحوراً أنه مجنون أزيلاً عقله بسبب السحر فلذلك ترك دين آبائه))

”يعنى معتزل نے (حدیث سحر) میں قصہ مذکورہ کے صحیح ہونے اور آپ ﷺ پر جادو کے اثر ہونے کا انکار کیا ہے۔ اور کہا کہ اس کو کس طرح صحیح کہا جاسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ”اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا“ اور فرمایا کہ: ”اور جادوگر فلاں نہیں پاسکتا جہاں سے آئے“ میزاسے جائز قرار دینے سے نبوت میں عیب لازم آتا ہے، کیونکہ کفار آپ ﷺ کو مسحور ہونے کا طعنہ دیتے تھے، اگر یہ واقع و قع پذیر ہوچکا ہو تو کفار اپنے دعوے میں سچے ثابت ہوتے ہیں اور اسکی میں آپ کے عیب کا ذکر آتا ہے اور معلوم ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ اور اہل السنۃ کہتے ہیں کہ (حدیث سحر میں موجود) قصے کا صحیح ہونا کفار کے قول کے سچے ہونے کو لازم نہیں ہے کیونکہ وہ مسحور سے مجنون مراد لیتے تھے جس کی عقل جادو کی وجہ سے ختم کر دی گئی ہو اور کہتے تھے کہ اسی وجہ سے اس نے اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک کر دیا ہے۔“

(تفسیر حقی زیر تفسیر سورت فلان، آیت: ۱۷ ص: 475)

ثابت ہوا کہ احادیث سحر کا انکار متعزّلہ حضرات نے ہی کیا ہے، اہل السنّت محدثین، مفسرین، مؤرخین و دیگر سلف صالحین نے اس واقعہ کے صحیح ہونے کا انکار نہیں کیا۔ البتہ قدیم و جدید متعزّلہ نے جن وجوہات کی بنا پر اس متفق علیہ حدیث کا انکار کیا ہے، ان تمام وجوہ کا جواب قارئین کو اسی کتاب میں مل جائے گا (ان شاء اللہ)

نیز معلوم ہونا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ احادیث قطعی الصحیح ہیں:
 ((الاتفاق الامة على تلقى ما اتفقا عليه بالقبول وهذا القسم جميعه مقطوع بصحته والعلم اليقيني النظري واقع به))
 ”یعنی امت مسلمہ کا صحیحین کی متفقہ احادیث کو قبول کرنے پر اتفاق ہے ان احادیث کی صحت قطعی ہے، اس سے علم یقینی اور نظری حاصل ہوتا ہے۔“

(مقدمہ ابن مسلم: 14)

شارح صحیح مسلم امام نوویؓ فرماتے ہیں:
 ((قد اتفقت الامة على ان ما اتفق البخاري ومسلم على صحته فهو حق وصدق))

”یعنی جس حدیث کی صحت پر امام بخاریؓ اور امام مسلم متفق ہوں، اس حدیث کے بارے میں پوری امت کا اتفاق ہے کہ وہ حق اور صحیح ہے۔“

(مقدمہ صحیح مسلم: 15)

علوم عقلیہ و نقلیہ کے مسلم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
 ((جمهور متون الصحيحين متفق علیها بین ائمه الحديث ، تلقواها بالقبول وأجمعوا علیها وهم يعلمون علمًا قطعیًا أن النبي ﷺ قالها))

”یعنی صحیحین کے متون (بطور احتجاج روایت کی گئی مرفوع متعلق احادیث) تمام

اممہ احادیث کے درمیان متفق علیہا ہیں اور ان کے ہاں ان احادیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور ان کے قبول کرنے پر ان محدثین کا اجماع ہے، اور وہ قطعی علم کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ واقعی نبی پاک ﷺ کی، ہی احادیث ہیں۔“

(قاعدة جليلة في التوصل والوصولة مطبوع المكتب الاسلامي بیروت ص: 87)

ثابت ہوا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہا احادیث قطعی طور پر حق اور رجیح ہیں اور انہیں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اور ان کے قبول کرنے پر اجماع ہے۔ یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ اجماع بذاتِ خود ایک جگت شرعیہ ہے اور امت اپنے اجماع میں معصوم عن الخطاء ہے۔

صاحب البر اس علامہ عبدالعزیز پر ہاروی حفظی لکھتے ہیں:

((ذهب ابو اسحق بن محمد بن ابراهیم الاسفرائی استاذ المتكلمين والامام ابو عبدالله الحمیدی الى أن مارواه الشیخان يعطى بقیناً نظریاً واختاره ابن الصلاح مستدلاً بأن الأمة تلقتها بالقبول وقال بعض المحدثین احادیث الصحيحین كلها متواترة امام الشیخین فظاهر واما من النبی ﷺ فلان كل حديث منهمالله طرق كثيرة فى غير الصحيحین من الكتب ولم يستوعب الشیخان الطرق تحرزاً عن الطول لا يقال انما أوجبوا العمل به ومذهبهم وجوب العمل بالظن لأننا نقول ظن من هو معصوم من الخطأ لا يخطئ والأمة فى اجماعها معصومة من الخطأ))

ویعنی استاذ المتكلمين امام اسفاری، امام ابو عبد اللہ الحمیدی اور امام حافظ ابو عمر وابن الصلاح کا مذهب یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے جو احادیث رسول اللہ ﷺ روایت کی ہیں، ان سے یقینی نظری علم کا فائدہ دیتی ہیں کیونکہ انہیں امت

کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تمام (مرفوع متصل) احادیث متواترات ہیں۔ شیخین سے ان کا متواتر ہونا تو ظاہر ہے اور نبی کریم ﷺ سے ان کا متواتر ہونا بھی ثابت ہے کیونکہ صحیحین کی ہر حدیث کے دوسرے بہت سارے طرق اور سندات دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں جنہیں طوالت سے بچنے کے لیے شیخین نے اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا جائیگا کہ انہوں (یعنی محدثین) نے اس سے صرف وجوب عمل ثابت کیا ہے اور ان کا مذہب ہے کہ ظن سے وجوب عمل ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ معصوم کے ظن میں خطاء نہیں ہوتی اور امت اپنے اجماع میں خطاء سے معصوم ہے۔“

(کوثر النبی ﷺ مع مناظرة الحجji فی علوم الحجج: ص 7,6)

یعنی چونکہ صحیحین کی احادیث کو امت نے اجماعاً قبول کیا ہے اور امت کا اجماع معصوم من الخطاء ہے، لہذا اب ان احادیث میں ظن باسیں حیثیت نہیں ہے کہ اس میں خطاء کا امکان ہو، کیونکہ معصوم کے ظن میں خطاء نہیں ہوتی۔ لہذا ان احادیث سے وجوب عمل کے ساتھ ساتھ یقین علم بھی حاصل ہوتا ہے۔

☆ نیز جن احادیث (اخبار آحاد) کو تلقی بالقبول حاصل ہو، ان کے بارے میں احتجاف کی اصولی اور معتبر کتاب میں لکھا ہے کہ:

((وَهَذِهِ الْأَخْبَارُ وَانْ كَانَتْ آحَادًا لِكُنْ لَمَا تَلَقَتْهُ الْأُمَّةُ بِالْقَبْوُلِ
صَارَتْ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْهُورِ))

”یعنی یہ (احادیث) اگرچہ اخبار آحاد ہیں لیکن جب اخبار آحاد کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو تو وہ بمنزلہ ”مشہور“ حدیث کے ہوتی ہیں۔“

(نور اللہ انصاری شرح تمریل تاریخ: 182)

اور ”مشہور“ حدیث کے منکر کا حکم ان الفاظ کے ساتھ لکھا ہے:
 ((وَلَا يُكَفِّرُ جَاحِدَةً بَلْ يُضَلِّلُ عَلَى الْأَصْحَاحِ وَقَالَ الْجَصَاصُ
 أَنَّهُ أَحَدٌ قُسْمِيُّ الْمُتَوَاتِرِ فَيُفِيدُ عِلْمَ الْيَقِينِ وَيُكَفِّرُ جَاحِدَةً
 كَالْمُتَوَاتِرِ))

یعنی حدیث ”مشہور“ کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ صحیح ترین قول کے مطابق اسکی تفصیل کی جائے گی یعنی اس کے منکر کو گمراہ کہا جائے گا۔ اور امام ابو یکبر جصاص رازی نے کہا کہ حدیث ”مشہور“ متواتر کی ایک قسم ہے جو علم یقین کا فائدہ دیتی ہے، اسکے منکر کی اسی طرح تکفیر کی جائے گی جس طرح متواتر حدیث کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے۔

(نور الأنوار مع شرح قرآن قمار، ص: 181)

سید شریف علی بن محمد الجرجانی الحنفی کہتے ہیں:

((وَجَاهَدَ الْخَبَرُ الْمُشْهُورُ مُخْتَلِفٌ فِيهِ وَالْأَصْحَاحُ أَنَّهُ يَكْفُرُ))
 ”یعنی ”مشہور“ حدیث کے منکر کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے، صحیح ترین قول یہ ہے کہ حدیث ”مشہور“ کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔“

(کتاب التعریفات ص: 96)

یاد رہے کہ سحر علی النبی ﷺ والی حدیث متفق علیہ ہے اور اسے تلقی بالقبول کا مقام حاصل ہے، لہذا یہ ”مشہور“ کے درجہ سے تو کسی طور بھی کم نہیں ہے بلکہ منکرین کے پسندیدہ مفسر علامہ جصاص خنفی کے بقول تو ایسی حدیث متواتر ہے جس کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے۔

مزید برآں شرح عقیدہ طحاویہ میں علامہ ابن ابی المعز خنفی لکھتے ہیں:

((وَخَبْرُ الْوَاحِدِ إِذَا تَلَقَتْهُ الْأُمَّةُ بِالْقَبْوُلِ عَمَلاً بِهِ وَتَصْدِيقًا لَهِ
 يُفِيدُ الْعِلْمَ الْيَقِينِيَّ عِنْدَ جَمَاهِيرِ الْأُمَّةِ وَهُوَ أَحَدُ قُسْمِيِّ

المتواتر و لم يكن بين سلف الأمة في ذلك نزاع))
 ”يعني جب عمل اور تقدیق کے ذریعے خبر واحد کو امت کی تلقی بالقول حاصل ہوتی
 وہ خبر واحد جمہور امت کے نزدیک یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے، اور وہ متواتر کی ہی
 ایک قسم ہے۔ امت کے سلف صالحین کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف
 نہیں ہے۔“

(هر ج الحجۃ الطحاویہ: 399)

یہودی سازش؟

منکرین حدیث ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صحیحین وغیرہ کی یہ حدیث یہودیوں کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ یہ بات کرنے والے وہ لوگ ہیں جو دانستہ یا نادانستہ طور پر بذاتِ خود یہود اور دیگر اسلام دشمنوں کے ایجنسٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہے کہ جب امت مسلمہ کے تمام مفسرین، محدثین، مؤرخین اور فقهاء عظام یہودی لاہی کے ایجنسٹ قرار دیے جائیں گے تو ملتِ اسلامیہ اور خود مذہب اسلام کے حق میں اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ نیز اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمام کامنام ذخیرہ احادیث، ذخیرہ تفسیر، اور فقہ و تاریخ ان لوگوں کا جمع کردہ ہے جو معاذ اللہ اس قدر دین و شریعت سے غافل اور بے پرواہ تھے کہ اس واقعہ میں موجود توہین نبوت کے پہلو سے بھی چشم پوشی کر گئے، اور معاذ اللہ اس قدر بے عقل اور احمق تھے کہ اس واقع میں چچپی ہوئی یہودی سازش کا ادراک نہ کر سکے بلکہ ہر دور میں اس کی صحیح اور تقدیق کرتے رہے۔ اس گھری سازش کا پتہ بھی چلا یا تو ان لوگوں نے جو معزز لہ وغیرہ کے افکار سے متاثر ہو کر پندرہویں صدی میں زمین پر بیٹھ کر آسمان کی باتیں کرنے کے عادی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ فلاں یہودی تنظیم یا گروہ نے اسلام کو اس لیے مشکوک سمجھا ہے کہ اس میں سحر علی النبی کا مسئلہ موجود ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کتنے ایسے مسلمان

ہیں جنہوں نے مسئلہ سحر علی النبیؐ کی وجہ سے اسلام کو غیر محفوظ مذہب سمجھتے ہوئے یہود کا مذہب اختیار کر لیا؟۔

یہودی آج بھی موجود ہیں، بڑی بڑی سلطنتوں پر قابض اور پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور ہیں۔ انہوں اپنی ساری قوت اور مشینری اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنے میں صرف کرکھی ہے حتیٰ کہ انہوں نے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنائے جس سے وہ اہل اسلام کو بدنام کرنا چاہتے تھے مگر پوری یہودی تاریخ میں آپ کو کوئی ایسا دور نہیں ملے گا جس میں انہوں نے امت مسلمہ کو بدنام کرنے کیلئے مسئلہ سحر علی النبیؐ کا سہارا لایا ہو۔ آخر یہ کس قسم کی سازش ہے کہ خود سازش کرنے والے بھی اس سے لاعلم ہیں؟۔

البتہ مسئلہ سحر علی النبیؐ کو توہین نبوت قرار دینے والے "عقلمندوں" نے یہود کیلئے قرآن مقدس پر حرف گیری کرنے کی ایک نئی راہ کھول دی ہے، یہودی کہہ سکتے ہیں کہ نبی پر سحر کا عارضی اثر تسلیم کرنے سے بھی چونکہ نبی کی توہین ہوتی ہے لہذا مسلمانوں نے نعوذ بالله جان بوجہ کرموٹی پر جادو کا اثر ہو جانے کی کہانی قرآن میں شامل کی تاکہ یہودیوں کی جی بھر کر بے عزتی کی جاسکے۔ بتائیے! ان لوگوں نے قرآن کے دفاع کا بہانہ بنایا کہ جو حملہ حدیث رسولؐ پر کیا ہے، درحقیقت وہی حملہ خود قرآن مقدس پر ہو رہا ہے یا نہیں؟۔ درحقیقت یہ گنوار کے ہاتھ کسوٹی اور چور کے ہاتھ میں تکوار دے دی گئی ہے، جو ان کے جی میں آئے کریں، دین کا خدا حافظ!

قرآن کی تفسیر بالرائے:

منکرین حديث نے مجمع علیہا صحیح احادیث کو جھلانے کیلئے قرآن مقدس کی آیت کے ایک حصے کو اپنے مذہب کیلئے آڑ بنا رکھا ہے، جس کی من مانی تفسیر کر کے وہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں لانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قال الظالمون ان تتبعون

الا رجلاً مسحوراً و امالي آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سحر علی النبیؐ کی احادیث یہودیوں کی سازش سے تیار کی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ بدیع مذهب کے حامل لوگوں کو چھوڑ کر کتنے ایسے مفسرین یا محدثین یا فقهاء امت ہیں جنہوں نے اس آیت کو صحیح کی احادیث کے خلاف سمجھا ہے؟ زیادہ نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں اہل السنۃ اسلاف متقدمین میں سے صرف دو مسند مفسرین یا محدثین یا فقهاء کے اسماء گرامی باحوال پیش کریں جنہوں نے کہا ہو کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صحیحین میں موجود سحر علی النبیؐ کا واقعہ من گھڑت اور جھوٹا ہے۔

حاشا و کلا! منکرین حدیث ایسا کوئی حوالہ قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے عکس مفسرین نے اس آیت کو صحاح میں موجود واقعہ کے خلاف بالکل نہیں سمجھا اور واضح الفاظ میں لکھا:

”لفظ “مسحور“ سے جو مطلب وہ لیتے تھے اسکی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کے سحر کا کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہو سکے، یہ آیت کی ہے، مدینہ میں آپؐ پر جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے انہیں۔“

(تفسیر عثمانی: ج 380)

مفسر محمود آلوی حنفی، امام مازری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

((وقال الامام المازري قد انكر ذالك الحديث المبتدعه من حيث أنه يُحَطُّ منصب النبوة ويُشُكُّ فيها وإنَّ تجويزه يمنع الثقة بالشرع وأجيب بِأَنَّ الحديث صحيحٌ وهو غيرُ مُراغِمٍ للنَّصْ وَلَا يَلْزَمُ عَلَيْهِ حَطُّ منصب النبوة والتشكيك فيها لأنَّ الْكُفَّارَ أَرَادُوا بِقُولِهِمْ مسحورٍ إِنَّهُ مجنونٌ وَحَاشَاهُ وَلَوْسُلَّمَ ارادةً ظاهره فهو كان قبل هذه القصة أو مرادُهُمْ أَنَّ السُّحْرَ أَثْرٌ فيَهُ وَأَنَّ ما يأتيه من الوحيٍ مِنْ تخيلاتِ السُّحْرِ وَهُوَ كَذْبٌ

ایضاً لأن الله تعالى عَصَمَهُ فيما يتعلّق بالرسالَةِ واما ما يتعلّق ببعضِ الأمورِ الدُّنيا التَّى لم يُبَعِّثْ عَلَيْهِ الصلةُ والسلامُ بسببِها وھی مَا يعرِضُ للبَشَرِ فغیر بعيد أن يخيل اليه ما لا حقيقةَ لَهُ))

”یعنی بعض مبتدئین نے اس حدیث (حدیث سحر) کا اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ اس سے منصب نبوت میں اخبطاط اور تشكیک پیدا ہوتی ہے، اور اس کو تسلیم کر لینا شریعت کی ثقاہت کیلئے مانع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور نص قرآنی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ کفار آپ ﷺ کو ”محور“ کہ کر ”مجون“ مراد لیتے تھے حالانکہ حاشا وکلا! آپ مجون ہرگز نہیں تھے۔ اگر بالفرض اس کی ظاہر مراد تسلیم کی جائے تو بھی کفار کا یہ قول واقعہ سحر سے پہلے کا ہے۔ یا پھر ان کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ وحی کا نام لیکر جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ سب جادو کے تخیلات ہیں، حالانکہ یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان امور میں معصوم بنایا ہے جن کا تعلق نبوت کے ساتھ ہے۔ اور جن امور کا تعلق خالصتاً دنیاوی امور کے ساتھ ہے اور جو غرض نبوت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے، اور وہ ایسے امور ہیں جو انسانوں کو پیش آتے رہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ نامکن نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو بعض ایسی چیزوں کا خیال آئے جن کی حقیقت نہ ہو۔“

(تفہیم العالی، بزر تفسیر سورت فلق آیت نمبر ۲)

مذکورین حدیث علامہ ابو بکر جصاص کی ”احکام القرآن“ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ احادیث سحر کا اقرار کر لینے سے ان لوگوں کا سچا ہونا لازم آتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جھوٹا کہا ہے، یعنی پیغمبر کے مخالفین کا سچا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مخفی تک بندی اور خام خیالی

ہے کیونکہ احادیث میں یہ الفاظ پوری آب و تاب کے ساتھ چک رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اما انا فقد عافانی اللہ و شفانی))

”یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت اور شفاعة فرمادی ہے۔“

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بتلائیے! کیا مخالفین اسلام کا یہی نظریہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کامل شفایابی دے کر زوبصحت کر دیا ہے؟۔ جو بات خود مخالفین کے خلاف ہے اس کے اقرار سے مخالفین کا سچا ہوتا کس طرح ثابت ہو جائے گا؟ کیا یہ ”عقلمند“ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو شخص بیماری سے صحیتیاب ہو چکا ہوا سے ”مریض“ کہہ کر نہیں پکارا جاتا، اور جو شخص پوری زندگی میں کبھی ایک آدھ مرتبہ معمولی ساز خنی ہوا ہواں کا نام ”محروم“ نہیں رکھ لیا جاتا، اور جس پر کبھی مختصر سے وقت کیلئے سحر کا عارضی سا اثر ہوا ہو، اسے ”مسحور“ کہہ کر نہیں پکارا جاتا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے موئی علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

»یخیل الیه من سحرهم انها تستغفی«

”یعنی ساحرین کے جادو کی وجہ سے موئی علیہ السلام کو یوں معلوم ہوا کہ وہ رسیاں اور لاثھیاں دوڑ رہی ہیں۔“

حالانکہ وہ نہ تو سانپ بنی تھیں اور نہ ہی سانپوں کی طرح دوڑ رہی تھیں کیونکہ کسی جادو گر کے اختیار میں نہیں کہ کسی بے جان چیز میں جان ڈال دے، جادو کا یہ محض نظری اثر تھا۔

اور ادھر فرعون کا موئی علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ یہ تھا کہ:

»انی لاؤنٹ کا موسیٰ مسحوراً« (بنی اسرائیل: 102)

(اے موئی! میں تجھے مسحور سمجھتا ہوں)

تو کیا کوئی منکر حدیث یہاں بھی وہی اعتراض کرے گا کہ چونکہ فرعون نے موئی علیہ السلام کو مسحور کہا تھا اس لیے ”یخیل الیه من سحرهم الخ“ والی آیت سے فرعون کا سچا ہوتا

ثابت ہوتا ہے؟

مکرین حدیث کا یہ ٹولہ احادیث رسول ﷺ کو جھلانے میں اسقدر جلد باز اور اندازی واقع ہوا ہے کہ ان کا ہر حملہ پلٹ کر خود قرآن مقدس کی صداقت کو مجرور کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ بریں عقل و دانش باید گریست۔

احادیث سحر عصمة انبیاء کے خلاف نہیں ہیں

ان غیر مطبوع صفات میں پہلا اعتراض یہ لکھا ہے کہ:

”تمام روایات اس اصول کے خلاف ہیں کہ نبی اپنے ہر کام اور تبلیغ میں معصوم ہیں۔“

یقین کیجیے بخاری و مسلم کی متفق علیہما احادیث سحر میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ہے کہ نبی اپنے تبلیغی کام میں معاذ اللہ معصوم نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً تمام محدثین و شارحین حدیث اس بات کا پرواز اعلان کرتے ہیں کہ سحر کا عارضی اثر ہونے کے باوجود آپ کے تبلیغی کاموں میں چاول برابر بھی خلل واقع نہیں ہوا۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

((قال الامام البمازري رحمه الله مذهب اهل السنة وجمهور علماء الامة على اثبات السحر وان له حقيقة كحقيقة غيره من الأشياء الثابتة..... وهذا الحديث ايضاً مصرح باثباته وأنه اشياء دفتت واخرجت وهذا كله يبطل ما قالوه..... وقد انكر بعض المبتدة عن هذا الحديث بسبب آخر فزعم انه يحط منصب النبوة ويشكك فيها وان تجويزه يمنع الثقة بالشرع وهذا الذي ادعاه هؤلاء المبتدة باطل لأن الدلائل القطعية قد قامت

علیٰ صدقہ و صحتہ و عصمتہ فيما يتعلق بالتبليغ))

”يعنی امام مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل السنۃ اور جمہور علماء امت کا مذہب یہ ہے کہ جادو ثابت ہے اور دیگر ثابت اشیاء کی طرح اس کی بھی ایک حقیقت ہے۔ اور یہ (حر والی) حدیث جادو کے اثبات کی تصریح کرتی ہے اور اس بات کی بھی تصریح کرتی ہے کہ جادو چند اشیاء پر مشتمل تھا جنہیں نکالا بھی گیا اور وہن بھی کیا گیا، یہ ساری تفضیل مکرین کی کہی گئی باتوں کو باطل شہراتی ہے۔ نئے نئے مذہب ایجاد کرنے والے مبتدعین نے اس (حر والی) حدیث کا اس وجہ سے بھی انکار کیا ہے کہ ان کے خیال میں اس حدیث کو تلیم کر لینے سے منصبِ نبوت میں انحطاط اور تشویش پیدا ہوتی ہے اور شریعت سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ لیکن ان مبتدعین کا یہ دعویٰ اس لیے باطل ہے کہ امورِ تبلیغ میں آپ کی صداقت درستباڑی اور عصمتِ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔“

امام مازریؒ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بعض امورِ دنیا جو انسانوں کو پیش آتے رہتے ہیں، ایسے امور کا نبیؐ کو پیش آجانا بعید نہیں ہے۔

(شرح صحیح مسلم للنووی: 2/221)

اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والسحر مرض من الامراض وعارض من العلل يجوز عليه ^{التفکير} كأنواع الأمراض، مما لا يُنكر ولا يَقْدَحُ في نبوتهـ واما كونه يُخَيِّلُ إِلَيْهِ أنه فعل الشئي ولم يفعله ، فليس في هذا ما يُدخل عليه داخلاً في شئي من صدقه لقيام الدليل والا جماع على عصمته من هذا ، وانما هذافيما يجوز طرؤه عليه في امر الدنيا التي لم يُبعث لسبها ولا فُضيل من

أجلها، وهو فيها عُرضةٌ للافاتِ كسائر البشر، فغير بعيد أنه يخيل إليه من امورها مala حقيقة له، ثم ينجل عنده كما كان))
 ((يعني جادوا ایک مرض اور پیش آنے والی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے، جو دیگر امراض کی طرح آپ ﷺ پر بھی واقع ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کے مقامِ نبوت کیلئے عیب ہے۔ اور آپ ﷺ کو بعض کام (اتیان النساء) کے بارے میں خیال آنا کہ کرچکے ہیں حالانکہ نہ کیا ہوتا، تو اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو آپ ﷺ کے صدق و سچائی میں خلل ڈالے کیونکہ اس پر کتاب و سنت کے دلائل اور امت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں۔ یہ (تخیل) تو ایسے امور دنیوی میں سے ہے جن کا آپ ﷺ پر واقع ہونا جائز ہے اور آپ ﷺ کی بعثت ان امور دنیا کے سبب نہیں ہوئی اور نہ ہی آپ ﷺ کی تفضیل ان امور دنیا کی مر ہوں منت ہے۔ آپ ﷺ کو امور بھی دیگر انسانوں کی طرح تکالیف پہنچ سکتی ہیں پس بعد نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو امور دنیا میں سے ایسے امر کا خیال گزرے جس کی حقیقت نہ ہو، اور پھر یہ دور ہو جائے جیسا کہ ہوا۔“

(الطب النبوی لابن القیم: 105)

اسی طرح مفسر علامہ حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وتأثير السحر فيه من حيث بشريته لا يقدر في نبوته وإنما يكون قادحاً فيها لو وجداً للسحر تأثير في أمر يرجع إلى النبوة ولم يوجد ذلك ، كيف والله تعالى يعصمه من أن يضره أحد فيما يرجع إليها كمال يقدر كسر رباعيته يوم أحد فيما ضمن الله له من عصمته في قوله والله يعصمك من

(الناس))

”یعنی آپ ﷺ پر جادو کا جواہر ہوا تھا وہ من حیث البشر تھا جو آپؐ کی نبوت کے لیے قادر نہیں ہے۔ یہ اثر آپؐ کی نبوت میں عیب تب بنتا اگر جادو کا اثر کسی ایسے کام میں واقع ہوتا جس کا تعلق خاص نبوت کے کاموں کے ساتھ ہوتا حالانکہ ایسا اثر نہیں پایا گیا۔ اور امورِ نبوت میں اثر ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس بات سے مخصوص بنایا ہے کہ کوئی آپؐ کو ایسا نقصان پہنچائے جس کا تعلق نبوت کے ساتھ ہو، جیسا کہ جنگِ احمد میں آپؐ کے دندان مبارکہ کا شہید ہو جانا آپؐ کی نبوت کے لیے عیب نہیں ہے اور نہ یہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے خلاف ہے جس میں اللہ نے ضمانت دی ہے کہ وہ آپؐ کو لوگوں سے بچائے گا۔“

(تفسیر حقی، ذر تفسیر سورت فلق، آیت ۲)

صحیح بخاری کے عین مولانا احمد علی سہارن پوری حنفی لکھتے ہیں:

((وَهَذَا الْبَسْرُ لَمْ يَكُنْ مُوجِبًا لِنَقْصَانٍ فِي عَقْلِهِ الشَّرِيفِ وَلَا سَبِيلًا مُضِرًا فِي التَّبْلِيغِ بَلْ كَانَ كَمِرَاضٍ يَتَغَيَّرُ بِهِ الْحَالُ مُثْلًا مَا أَكَلَ السَّمَّ بَلْ أَخْفَى مِنْهُ))

”یعنی یہ جادو آپ ﷺ کے قوائے عقلیہ میں نقصان کا موجب نہیں تھا اور نہ ہی تبلیغ دین میں نقصان پہنچانے کا سبب تھا، بلکہ یہ تو (دیگر امراض کی مثل) ایک مرض تھا جس سے حالت میں (عموماً) تبدیلی آجایا کرتی ہے، جیسا کہ آپؐ کی زہر خوردگی کی وجہ سے ہوا تھا۔ بلکہ یہ (حرروالی) تکلیف تو اُس تکلیف سے بھی ہلکی تھی۔“ (حاشیہ صحیح بخاری: 2/945)

اسکے بعد مخشی مذکور، امام ابو سليمان خطابی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۸ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

((وقال الخطابي ان ما كان يخيل اليه انه يفعل الشئ ولا يفعله في أمر النساء خصوصاً في اتيان أهله انما هو ابتلاء من الله تعالى واما ما يتعلق بالنبوة فقد عصمه الله من ان يلحقه الفساد))

”يعني امام خطابي فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ فلاں کام کر رکھے ہیں تو اس کا تعلق فقط ازواج شریفات کے ساتھ تھا۔ اور یہ (جادو کا اثر ہونا) منجانب اللہ آزمائش تھی۔ البتہ جن امور کا تعلق نبوت کے ساتھ ہوتا ہے (جیسے تبلیغ و تعلیم وغیرہ) تو ان میں نقصان یا فساد کے آنے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم و مصون رکھا ہے۔“ (ال ايضا)

اسی طرح امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وكان غاية هذا السحر فيه انما هو في جسده وظاهر جوارحه ، لا على عقله وقلبه . ولذلك لم يكن يعتقد صحة ما يخيل اليه من اتيان النساء بل يعلم انه خيال لا حقيقة له ، ومثل هذاقد يحدث من بعض الامراض))

”يعني اس جادو کا زیادہ سے زیادہ جو اثر ہوا وہ بس آپ ﷺ کے جسم مبارک اور ظاہری اعضاء تک محدود تھا، آپ کے دل و دماغ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ازواج کے پاس تشریف لے جانے کا جو خیال گزرتا تھا، آپ خود بھی اس کو صحیح نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ مخفی خیال ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں ہے، اور بعض امراض میں ایسا ہو جاتا ہے۔“

(الطب النبوى: 107)

جو لوگ سحر والی متفق علیہ حدیث کو تبلیغ دین کیلئے معرض سمجھتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ نبی کی

ذات سے بھول چوک اور سہو نسیان کا امکان جادو کے بغیر بھی موجود ہے یا نہیں؟ خود قرآن مقدس سے ثابت ہے کہ اللہ کے نبی سے بھول ہو سکتی ہے۔ مثلاً! آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

((ولقد عهدنا إِلَىٰ آدُمَ مِنْ قَبْلِ فَنْسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا))

(طہ: 115)

”ہم نے تاکید کر دی تھی آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی، ہم نے اس میں کچھ ہمت۔“

اسی طرح موسی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

((فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حَوْتَهُمَا)) (الکھف: 61)

”جب موئی علیہ السلام اور ان کا رفیق سفر مجتمع البحرين پر پہنچ تو وہ اپنی مچھلی بھول گئے۔“

اسی طرح آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((وَإِذْ كَرِرْتُكَ إِذَا نَسِيَتْ)) (الکھف: 24)

”اور آپ یاد کریں اپنے رب کو جب بھول جائیں۔“

نیز ارشاد فرمایا:

((سَنَقْرِئُكَ فَلَا تَنْسِي إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ)) (الاعلیٰ: 7,6)

”البتہ ہم پڑھائیں گے آپ کو، پھر آپ نہ بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے۔“

اسی طرح احادیث میں سید الانبیاء کے بھول جانے کا ذکر بھی موجود ہے۔ نماز میں بھی متعدد بار آپ سے بھول ہوئی، آپ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِنِّيٌّ كَمَا تَنْسُونَ فَإِذَا نَسِيَتْ فَذَكِرْوْنِي))

”یعنی بلاشبہ میں بھی بشر ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا

کیا بی ملٹش علیم پر جادو ہوا؟

ہوں۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔“

(بخاری وغیرہ کتب حدیث)

مقام غور یہ ہے کہ جب عام حالات میں بھی آپ سے بھول اور سہونیاں کا امکان موجود ہے اور ایسا ہوا بھی ہے تو جادو ہو جانے سے فرق کیا ہوا؟ جو اعتراض جادو کے متعلق ہے وہی اعتراض جادو کے بغیر بھی موجود ہے، کوئی غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے آپ وحی کے کسی حکم میں بھی بھول گئے ہوں یا دین کی کچھ باقیں بھول کر آپ نے بیان نہ کی ہوں۔ اس لیے جو جواب بھول کے بارے میں ہوگا جادو کے بارے میں بھی وہی جواب ہوگا۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ دین اور تبلیغ دین کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہوئی ہے لہذا اس میں کسی قسم کے نقصان یا کمی کا تصور غلط ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْذِكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

”ذکر کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿إِنَّا عَلَيْنَا جَمِيعَهُ وَقَرآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرءَ نَاهٌ فَاتَّبَعَ قَرآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّا

عَلَيْنَا بِبَيَانِهِ ۝﴾ (النجم: ۱۷، ۱۸، ۱۹)

”بے شک ہمارا ذمہ ہے اسکو جمع رکھنا تیرے سینے میں اور پڑھنا تیری زبان سے۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اسکے پڑھنے کے۔ پھر بے شک ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا۔“

لہذا کسی صحیح حدیث میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ جب آپ پر جادو کیا گیا تھا تو اسکے اثر کی وجہ سے آپ کے امورِ تبلیغ میں فرق آگیا تھا، یا آپ معاذ اللہ قرآن غلط پڑھنے لگ گئے تھے، یا آپ نے فلاں نماز ترک کر دی تھی۔ یہ ساری بدگمانیاں منکریں حدیث کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ لوگ احادیث صحیحہ کو تو ”محض ظن“ کہہ کر ٹھکرایتے ہیں مگر اپنے

فضول قسم کے ظنون و اوهام کو حقیقت کی مند پر بھانا چاہتے ہیں۔

تنبیہ

لغت و شریعت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جو وحی بھی آسمان سے نازل ہوئی ہے وہ ذکر منزل ہے۔ جملہ اقسامِ وحی کو اللہ سبحانہ نے محفوظ و مصون رکھا ہے، جس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہونہ وہ ضالع ہو سکتی ہے نہ کسی وقت اس میں تبدیلی کا امکان ہے۔ یہ دعویٰ جھوٹا اور دلیل و برہان سے عاری ہے کہ آیت ”اَنَا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْذِكْرَ وَنَا لَهُ لَحَافِظُونَ“ میں ذکر سے صرف قرآن کریم مقصود ہے۔ ذکر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی وہ خواہ وحی جلی یعنی قرآن ہو یا وحی خفی یعنی حدیث۔

اگر نبی کریم ﷺ کی احادیث کو غیر محفوظ قرار دیا جائے تو نص قرآنی سے فائدہ اٹھانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کیونکہ احادیث کے بغیر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرض کیا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بکثرت احکام جو ہم پر فرض قرار دیے گئے ہیں، اس لیے ضالع ہو جائیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مفہوم و مقصود کو نہیں سمجھ سکے۔ اس لیے کہ اکثر احکام شرعیہ حدیث سے ثابت ہوئے ہیں، قرآن میں جو احکام موجود ہیں وہ یا تو بجملہ ہیں اور یا قواعد کلییہ ہیں۔

مثالاً قرآن میں درج ذیل مسائل کہاں مذکور ہیں؟

- (1) فجر کی دور کعیتیں ہیں، ظہر، عصر، عشاء کی چار اور مغرب کی تین (2) رکوع و سجدہ کی کیفیت اور تسبیحات (3) ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھنا اور دورانِ سفر قصر نماز کے احکام و مسائل (4) مفسداتِ صوم (5) چاندی، سونا، بکری، اونٹ اور گائے کی زکوٰۃ کا نصاب و شرح (6) احکام وارکاں حجٌّ مثلاً وقوف عرفہ، مزدلفہ میں نماز پڑھنے کا طریقہ، رمی جمار، احرام (7) چور کا ہاتھ کونسا اور کتنا کاٹا جائے (8) کس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی

ہے (9) جملہ حلال و حرام غذاوں کی تفصیل (10) زبائع قربانی کے جانور (11) حدود شرعیہ (12) اقسام طلاق (13) احکام بیوی (14) احکام سود (15) فیصلہ جات، قسم کے احکام۔ عمری (عمر بھر کیلئے کسی کو کوئی چیز دینا) صدقات و دیگر فقہی احکام۔

لہذا جو شخص اللہ کے دین کو جانتا اور شرعی احکام کو پہچانتا ہے، نہ تو حدیث کے منجانب اللہ محفوظ و جلت ہونے سے انکار کر سکتا ہے اور نہ یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اسلام صرف قرآن کا نام ہے۔

آپ کے ہر قول فعل کا سنت ہونا

دوسرے اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ:

”حادیث سحر اس عقیدے کے ساتھ بھی مطابقت نہیں رکھتیں کہ آپ کے افعال میں سے ہر فعل اور اقوال میں سے ہر قول سنت اور شریعت ہے۔“

سبحان اللہ! اگر جدید منکرینِ حدیث کا یہی ”عقیدہ“ ہے کہ آپ کا ہر فعل اور ہر قول سنت اور شریعت ہے، تو چشم مارو شن دل ما شاد! مگر افسوس جدید منکرینِ حدیث کا یہ دعویٰ بھی محض دھوکا اور فریب ہے ان کا عمل اس دعوے کے بالکل خلاف ہے۔ ہم ذاتی طور پر کئی ایسے جدید منکرینِ حدیث کو جانتے ہیں جنہوں نے شخصی اور فیضی داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں اور بعض حضرات تو قینچی سے کترنے کا تکلف ہی نہیں کرتے، سیدھے سنت کی گردان پر استرا پھیر دیتے ہیں حالانکہ داڑھی ایک ایسی سنت ہے جو آپ کے قول سے بھی ثابت ہے اور آپ کے فعل سے بھی۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا:

”مشرکین اور بجوسیوں کی مخالفت کرو مونچیں کاثو اور داڑھی کو معاف کر دو۔“

(صحیح مسلم: 129)

مگر یہ لوگ داڑھی کو معاف کرنے کی بجائے اس کا قتل عام کر کے بھی ”محب رسول

”بنے رہتے ہیں۔ یہیں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دعوے میں کتنے فیصد سچائی موجود ہے۔ آخر فتح الیدین عند الرکوع و ما بعدہ، آمین بالجہر، فاتح خلف الامام، تورک اور ایک وتر جیسے مسائل بھی تو آپ ﷺ کے قول یا فعل مبارک سے ثابت ہیں، پھر ان سے اعراض کرنے کی کیا وجہ ہے؟

ابن احال یہ ہے کہ اگر ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کوئی فعلی حدیث پیش کی جائے تو اس پر عمل کرنے کی بجائے قولی حدیث کا مطالبه شروع کر دیتے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں قولی حدیث پیش کی جائے تو فعلی کا مطالبة کرتے ہیں اور اگر دونوں قسم کی احادیث پیش کر دی جائیں تو ”بیمیشی“ کا ثبوت مانگنے لگ جاتے ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح حدیث رسول ﷺ سے جان چھوٹ جائے، مگر عوام الناس کو دھوکہ دینے کیلئے پیغمبر ﷺ کے ”ہر قول فعل“ کے سنت ہونے کا ڈھنڈ و را پیشہ رہتے ہیں۔

شریعت اور دنیاوی امور

البتہ یہ بات اپنے مقام پر مسلم اور ثابت ہے کہ واقعی آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقاریر سنت اور شریعت کا درجہ رکھتے ہیں لیکن خالصتاً دنیاوی امور اس حکم سے مستثنی ہیں۔ سیدنا رافع بن خدنج فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انماانا بشر اذا امرتكم بشئ من دينكم فخذوا به و اذا امرتكم بشئ من رأيي فانما اانا بشر))

”یعنی میں بھی انسان ہوں جب میں تمہیں تمہارے دین میں سے کسی بات کا حکم دوں تو اس کو پکڑ لو، اور جب میں اپنی رائے سے کسی کام کا حکم دوں تو میں بھی انسان ہوں۔ (یعنی دنیاوی امور میں بھول چوک ہو سکتی ہے۔)“

(صحیح مسلم: 2/264)

کیا بنی اسرائیل پر جادو ہوا؟

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انتم اعلم با مردم دنیا کم))

"یعنی اپنے دنیاوی کام تم مجھ سے زیادہ جانے والے ہو۔"

(صحیح مسلم: 264)

اگر تمام دنیاوی امور بھی شریعت کا درجہ رکھتے تو ان امور کی واقفیت سب سے زیادہ آپؐ کو ہوتی نہ کہ صحابہ کرامؐ کو، کیونکہ پیغمبرؐ سے زیادہ شریعت کو جانے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ جہاں تک متفق علیہ حدیث سحر کا تعلق ہے تو اس حدیث سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ کے اقوال و افعال سنت اور شریعت نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس دوران کوئی ایسا فعل یا حکم جاری فرمایا ہے جو سنت اور شریعت کے خلاف ہو۔ لہذا منکرین کا یہ کہنا کہ سحر کی متفق علیہ احادیث نبیؐ کے ہر قول و فعل کو سنت سمجھنے کے "عقیدے" کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں، کھلا فریب اور نزادھوکا ہے۔

حدیث سحر قرآن سے متصادم نہیں ہے

تیرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ:

"قرآن نے جو آپؐ کے مسحور ہونے کی نفی کی ہے اور کفار کے اسی بہتان کی تکذیب کی ہے۔ یہ روایات اس سے بھی متصادم ہیں اسی وجہ سے ہم ان کو صحت سے دور سمجھتے ہیں۔"

یعنی ان منکرینِ حدیث کے پاس صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث کو جھٹلانے کا بُس یہی ایک بہانہ ہے کہ ان کے بقول یہ احادیث قرآن سے متصادم ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ احادیث صحیح میں جادو کے جس عارضی اثر کا ذکر ملتا ہے، اس کی نفی قرآن مقدس میں کہیں نہیں ملتی۔ نیز ان احادیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ:

((فقد عافاني الله وشفاني)) "یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت اور شفا عطا

فرمادی ہے۔“اگر منکرین حدیث میں ہمت ہے تو ذرا ایسی آیت بھی قرآن مقدس سے نکال کر دکھلادیں کہ کفار مکہ نے کہا ہو کہ: اے مسلمانو! تم جس رسول کی اتباع کر رہے ہو اس پر مدینہ میں جا کر جادو کا (عارضی) اثر ہونے والا ہے جس سے اللہ تعالیٰ شفاقت و دے دے گا مگر ہم ایسے رسول کی اتباع نہیں کرتے۔“ اگر قرآن مقدس میں ایسی کوئی آیت نہیں اور نہ ہی مخالفین نے ایسا کوئی دعویٰ کیا تھا تو احادیث سحر کا تصادم قرآن کے ساتھ کس طرح ہو گیا؟

جس طرح آیت 『يَخِيلُ إِلَيْهِ مِنْ سَحْرِهِ أَنْهَا تَسْعَىٰ』 کا تصادم، آیت 『إِنِّي لاأَظُنُكُ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا』 کے ساتھ نہیں ہوتا، بالکل اسی طرح حدیث سحر 『يَخِيلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّنْسِيٍّ وَمَا فَعَلَهُ』 کا تصادم، آیت 『أَنْ تَتَبَعُونَ إِلَّا رِجَالٌ مَسْحُورًا』 کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں دونوں انبیاء علیہما السلام کے لیے 『يَخِيلُ إِلَيْهِ』 کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اب دو باتوں میں سے ایک کا مانا ضروری ہے، یا تو یہ کہیں کہ قرآن کے الفاظ (یخیل الیہ) قرآن ہی کی دوسری آیت 『إِنِّي لاأَظُنُكُ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا』 سے متصادم ہیں، یا پھر یہ تسلیم کر لیں کہ حدیث سحر کے الفاظ 『يَخِيلُ إِلَيْهِ』 قرآن کی آیت 『أَنْ تَتَبَعُونَ إِلَّا رِجَالٌ مَسْحُورًا』 سے متصادم نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کو جو صورت صحیح معلوم ہو اسی کو اختیار کر لیں۔

آپ ﷺ کو مسحور کہنا غلط ہے

نیز حدیث سحر کو مان لینے سے کفار کی قدر یقین بھی نہیں ہوتی کیونکہ معمولی سی بات پر سحر کا جو عارضی اثر ہوا تھا چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جلد ہی زائل فرمادیا، اور معمولی و عارضی اثر بھی من حیث البشر تھا اور نبوت کے کاموں میں اس کا ذرا بھی دخل نہیں تھا، اس لیے کفار کا ان انبیاء کرام کو تبلیغ اور دعوت حق کے سلسلے میں مسحور (راہ حق سے پھرا ہوا) کہنا قطعی طور پر غلط اور بے

بنیاد تھا۔

علاوه ازیں تخیل میں اس قسم کا احساس تو جادو کے بغیر بھی پیدا ہو سکتا ہے مثلاً کسی کو دوران نماز خیال آئے کہ اس کا وضو و ثوٹ چکا ہے، حالانکہ ثوٹانہ ہوتا کیا اس شخص کو مسحور کہنا جائز ہے؟ اور محض اتنے تخیل سے "مسحور" کہنے والوں کی تصدیق ہو جائے گی؟۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

((شَكِيٌ الِّ النَّبِيُّ شَكِيٌ اللَّهُ عَزَّلَهُ الرَّجُلُ يُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّئْءَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدُ رِيحًا))

"یعنی ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ دوران نماز اسے خیال آتا ہے کہ اس کا وضو و ثوٹ چکا ہے، آپ نے اسے فرمایا کہ اس طرح کے محض تخیل سے نماز نہیں چھوڑنی چاہیے جب تک وہ آواز نہ سے یاد بونے پائے۔"

(صحیح بخاری، ح: 1342، صحیح مسلم: 1/ 158، ابو داؤد، ح: 150، مسند احمد، ح: 15855)

اس حدیث میں بھی وہی "يُخَيِّلُ إِلَيْهِ" والے الفاظ ہیں جو حدیث سحر میں ہیں، تو کیا ایسے نمازی کو بھی "مسحور" کہہ کر مطعون کرنا صحیح ہے؟۔ یا اس کے بارے میں یہ گمان کرنا صحیح ہے کہ کبھی کبھی یہ سمجھ کر کہ وہ نماز پڑھ چکا ہے، نماز پڑھنا بھی بھول جاتا ہوگا؟ ایک اور مثال پیش خدمت ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس قسم کی تخیل کی تبدیلی تو ایک جنتی مومن کو دار الآخرت میں بھی ہو سکتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ شَكِيٌ اللَّهُ عَزَّلَهُ أَنِّي لَا أَعْلَمُ أَخْرَى أَهْلِ النَّارِ خَرُوجًا مِنْهَا وَأَخْرَى أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةِ رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ جَلُوا فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ اذْهَبْ فَادْخُلْ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلَائِي فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجْدَتْهَا مَلَائِي فَيَقُولُ اللَّهُ

تعالیٰ لہ اذهب فادخل الجنة قال فیأتیها فیخیلُ إلیه انہا ملائی
فیرجع فیقول یا رب وجدتها ملائی فیقول اللہ تعالیٰ لہ
اذھب فادخل الجنة فان لک مثل الدنیا و عشرة امثالها الخ))
”یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہنم سے نکلنے والے آخری آدمی اور جنت میں
داخل ہونے والے آخری آدمی کے بارے میں میں جانتا ہوں۔ وہ آدمی جہنم
سے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے کہے گا جا جنت میں داخل ہو جا۔ پس وہ جنت کی
طرف آئیگا تو اسے خیال گزرے گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے پس وہ واپس لوٹ
کر آئیگا اور کہے گا کہ اے رب! جنت تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا تو جا
اور جنت میں داخل ہو جا۔ وہ دوبارہ جنت کی طرف آئے گا تو اسے خیال گزرے
گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے، وہ دوبارہ واپس لوٹے گا اور کہے گا کہ اے رب!
جنت تو بھری ہوئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کہے گا تو جا جنت میں داخل ہو جا، تیرے
لیے دنیا اور اس سے دس گنازیاہ جگہ موجود ہے انچ۔“

(صحیح مسلم: 1/105۔ صحیح بخاری باب صفة الجنة والنار: 2/972۔ مسن احمد (طبعہ جدیدہ مصحتی مطبوعہ دار احیاء
التراث العربي بیروت) رقم الحدیث، 4377، و فی طبیعت قدیمة رقم الحدیث: 4391۔ ابن ماجہ مع شرح مفتاح الحاجۃ
باب صفة الجنة، ح: 332۔ الحجۃ الکبیر للطبرانی (مطبوعہ دار احیاء التراث العربي) رقم الحدیث 10339۔
النصاف سے بتائیے! یخیل الیہ کے الفاظ کو بنیاد بنا کر اس جنتی کو ”محصور“ یا ”محون
ومفتون“، وغیرہ کہنا جائز اور صحیح ہے؟۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ 『یخیل الیہ』 والی کیفیت تو جادو کے بغیر بھی ممکن اور وقوع
پذیر ہو سکتی ہے تو محض اسی وجہ سے کسی پر ”محصور“ کا نام دھرنایقیناً دیانت و انصاف کے خلاف
ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ”یُخَيِّلُ إلَيْهِ أَنْهُ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ“ والی متفق علیہ حدیث مان
لینے سے مشرکین کے الزام (ان تبعون الارجلا ممحورا) کی تصدیق ہوتی ہے، انتہائی غلط اور علم و

النصاف سے کسوں دور ہے۔

”مسحور“ کہنے کی وجہ

سوال یہ ہے کہ مشرکین مکہ ”مسحور“ ہونے کا جو طعنہ دیا کرتے تھے کیا انہیں خود بھی اس بات پر یقین تھا کہ آپ واقعی مسحور ہیں؟۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے، کیونکہ اگر وہ واقعہ آپ کو ”مسحور“ سمجھ کر الیسی بات کہتے تو اس صورت میں وہ آپ کو ”ساحر“، شاعر اور کاہن ہرگز نہ کہتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ﴾ (یونس: 10/2)

”کافروں نے کہا ہے شک یہ کھلا جادوگر ہے۔“

یعنی انہیں ان میں سے کسی ایک بات کا بھی یقین نہیں تھا ورنہ ان کے بیانات اس قدر مختلف نہ ہوتے۔ انہیں نہ آپ کے ساحر ہونے کا یقین تھا نہ آپ کے مسحور ہونے کا۔ وہ محض وحی الہی کے مافق العادت موثر و بلیغ ہونے کی وجہ سے آپ کو ساحر اور شاعر کہہ دیتے اور خلاف مشاہدہ بتائیں سن کر آپ کو ”مسحور“ کہہ دیتے تھے۔ مثلاً سورت بنی اسرائیل میں ”مسحور“ کہنے کی وجہ قرآن مقدس نے یہ بتلائی ہے:

﴿وَقَالُوا إِذَا كَنَا عَظَاماً وَرَفَاتًا إِنَّا لَمُبَعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾

(آیت: 49)

”اور کہتے ہیں کیا جب ہو جائیں گے ہڈیاں اور پُورا پُورا کیا ہم پھر نئے سرے سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔“

یعنی وہ کہتے تھے کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سڑ کر ہڈیاں رہ جاتی ہیں، تھوڑے دنوں بعد وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کر سکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا پُورا اور خاک کے ریزے دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اگر آپ

ایسی ناممکن اور خلاف مشاہدہ بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ یہ سب کچھ (معاذ اللہ) کسی کے فریب میں آکر خلاف حقیقت بتائیں کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آپ پر مختلف نام دھرنے کی وجہ آپ کی تبلیغ دین تھی۔ اسی تبلیغ حق کی وجہ سے وہ کبھی آپ کو ”بشر“ کہہ کر بھی دعوت حق کو ٹھکرایا کرتے تھے۔ مثلاً:-

﴿وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هُلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ جَ

افْتَأْتُونَ السُّحْرَ وَإِنْتُمْ تَبَصِّرُونَ﴾ (الأنبياء: 21/3)

”اور چھپا کر سرگوشیاں کیں ظالموں نے کہ یہ نہیں ہے مگر تمہاری طرح بشر، پھر کیوں چھنتے ہو اس کے جادو میں آنکھوں دیکھتے۔“

یعنی وہ آپ ﷺ کو ”بشر“ اس نیت سے کہتے تھے کہ ایک بشر اور انسان انکے خیال کے مطابق چونکہ نبی نہیں ہو سکتا لہذا یہ پیغمبر تو نہیں ہے البتہ اس کی کلام چونکہ نہایت یقین اور مؤثر ہے اس لیے یہ (معاذ اللہ) جادوگر ہے۔

انکے فضول اور غیر حقیقی الزامات کی ایک اور جھلک دیکھیے!

﴿بَلْ قَالُوا أَضْفَاثُ أَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾

(الأنبياء: 5)

”یعنی ”بشر و جادوگر“ کے دعوے کو چھوڑ کر) کبھی کہتے ہیں یہ بیہودہ خواب ہیں نہیں بلکہ اس نے خود گھر لیا ہے، نہیں بلکہ یہ شاعر ہے“

یعنی ایک ہی سانس میں ساحر بھی کہہ دیا اور پریشان خواب، شاعر اور مفتری بھی۔ ثابت ہوا کہ انہیں کسی ایک دعویٰ پر یقین اور رہنمہ اور نہیں تھا مغض اپنی بے بی اور جنجلہ ہٹ کے اظہار میں وہ مختلف بہانے بناتے رہتے تھے۔ اسی طرح دنیاوی عیش و عشرت کا ساز و سامان نہ ہونے کے باوجود دعویٰ انہیں انہائی عجیب محسوس ہوتا تھا، اس وجہ سے بھی وہ آپ ﷺ کو ”مسحور“ کہہ دیتے تھے۔ (الفرقان: 8)

ان کے انہی بے بنیاد بہانوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا:

﴿انظر کیف ضربوا اللہ فضلوا فلا یستطیعون سبیلاً﴾

(الفرقان: 9)

”وَكَيْفَ كَيْسِي بِيَانٍ كَرْتَهُ إِنْ تَيْرَ لِيَ مَثَلِيْسِ پَسْ بَهْنَكْ گَنْهُ اَبْ پَانِيْسِ سَكْتَهُ رَاسْتَهُ۔“

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ آپ کی باتیں محض مفتریات ہیں، کبھی الزام لگاتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں، کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنون، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کسی بات کا نہیں یقین نہیں ہے اس لیے کسی ایک الزام پر قرار نہیں ہے۔ یہ سب بیہودہ گوئی وہ محض اپنے دل کی بھراں نکلنے کے لیے کرتے ہیں۔

لہذا یہ کہنا کہ حدیث صحیح تسلیم کر لینے سے کفار کے دعویٰ کی تصدیق ہو جائے گی، بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، کیونکہ ان کا کوئی دعویٰ تھا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے انکے ان بے بنیاد الزامات کیلئے ”أَمْثَالٌ“ کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی خواہ خواہ ضد میں آکر لوگوں کو دین حق سے دور رکھنے کیلئے آپ پر مختلف نام دھرتے رہتے تھے۔

دوسرा جواب

احادیث سحر اس لیے بھی مذکورہ آیت سے متعارض نہیں ہیں کہ لفظ ”محوار“ کا معنی ”جادو زدہ“ ہے ہی نہیں۔ بلکہ اس کا معنی ہے ”صحیح رستہ سے ہٹا ہوا“، ”دین حق سے پھرا ہوا“ جیسے فصل نہ اگانے والی زمین کو کہا جاتا ہے ”ارض مسحورة“ (المجد)

مفقر قاضی ابوالسعود العمامدی رحمۃ اللہ (متوفی 982ھ) لکھتے ہیں:

((أَنَّهُ فِي أَصْلِ الْلُّغَةِ الصِّرْفِ عَلَىٰ مَا حَكَاهُ الْأَزْهَرِيُّ عَنْ

الفراء و یونس))

”یعنی لفظ میں سحر کا معنی ہے پھیر دینا، جیسا کہ علامہ ازہری نے امام فراء اور یونس سے بیان کیا ہے۔“

(تفسیر ابن الصود (ارشاد الحقل لسلم الی مرایا الکتاب الکریم)؛ زیر تفسیر البقرہ، آیت ۱۰۲)

تفسیر خازن اور معالم التزلیل میں ہے:

((معنی السحر الا زالة و صرف الشئ عن وجهه، تقول العرب
ما سحرك عن كذا اي ما صرفك عنه..... هذا اصله من حيث
اللغة))

”یعنی سحر کا لغوی معنی ہے ”کسی چیز کو اس کے مقام یا راستہ سے ہٹا دینا۔“ عرب لوگ کہتے ہیں ما سحرک عن کذا یعنی مجھے کس چیز نے فلاں کام سے ہٹا دیا ہے، لفظ کے اعتبار سے سحر کا معنی بھی ہے۔“

(تفسیر خازن و بهامشہ معالم التزلیل: ۱/ 74)

کشف الاسرار شرح اصول بزدوي ختنی میں ہے:

((فَإِنْ أَصْلَ السُّحْرِ فِي كَلَامِهِمُ الصَّرْفُ))

”یعنی اہل عرب کی کلام میں سحر کا اصلی معنی ہے ”پھیرنا۔“

(کشف الاسرار باب البیان: 5/ 260 بتقہی)

اس مفہوم کی تائید اہل عرب کے استعمال کے ساتھ ساتھ قرآن مقدس سے بھی ہو رہی ہے۔ قرآن مقدس سے اس مفہوم کی مثال درکار ہو تو درج ذیل مقام دیکھیے:

﴿ قل من بيده ملکوت کل شئی و هو يجير ولا يجار عليه ان
کنتم تعلمون ۝ س يقولون لله ط قل فانی تُسْحِرونَ ۝ بل آتیناهم
بالحق و انهم لکذبون ۝ ﴾ (مومنوں: 23/ 88 تا 90)

”کہہ دیجیے کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کی حکومت، اور وہ بچالیتا ہے اور اس سے کوئی نہیں بچاسکتا، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟۔ اب کہیں گے اللہ کیلئے، کہہ دیجیے پھر کہاں سے تم حق سے پھیرے جاتے ہو؟۔ بلکہ ہم لے آئے ان کے پاس حق اور وہ البتہ جھوٹے ہیں۔“

یعنی جب تم یہ مانتے ہو کہ حکومت اور ہر چیز پر قبضہ اللہ ہی کا ہے تو پھر کوئی چیز تمہارے عقائد کو غلط سمت میں لے جاتی ہے؟، آخر کس وجہ سے تم صحیح راستہ اور دین حق سے ہٹے ہوئے ہو؟۔ پھر تم صحیح راستہ کی طرف کیوں نہیں آ رہے جب تم مانتے ہو کہ قادر علی الاطلاق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر اسکی عاجز مخلوق کو کیوں کار ساز سمجھتے ہو؟۔

((ای فانی تُخدِعونَ وَتُصْرِفُونَ عن توحیده وَطاعته))

”یعنی پھر کس وجہ سے اللہ کی توحید و اطاعت سے دھوکہ دیے جاتے ہو اور پھرے جاتے ہو۔“

(تفسیر خازن: 3/276 مطبوعہ دارالكتب العلمیہ بیروت۔)

علاوه ازیں منکرین کے امام اور پیغمبر ابو منصور الماتریدی السمر قندی المتوفی ۳۳۳ھ

فرماتے ہیں:

((فَإِنِّي تَسْحَرُونَ) ای تُقْرُونَ وَتُخَدَّعُونَ؟ تقول: سُحْرَتُ اُی خُدِعْتُ، وَغُرِرْتُ وَقال: (تُسْحَرُونَ) ای تُخَدُّعُونَ وَتُصْرَفُونَ عن هذا))

”یعنی ”فانی تسحرون“ کا معنی ہے ”تم کس وجہ سے بھگائے جاتے اور کہاں سے دھوکہ دیے جاتے ہو؟ (جیسا کہ تو کہے: سُحْرَتُ یعنی میں دھوکہ میں ڈالا گیا اور غلط فہمی میں بتلا کیا گیا ہوں۔ اور فرمایا: ”تُسْحَرُونَ“ یعنی دھوکہ دیے جاتے اور اس (حق) سے ہٹائے جاتے ہو۔“

(تفسیر القرآن العظیم اسنسی تاویلات اہل السنۃ، مطبوعہ مؤسسة الرسالۃ بیروت: 3/414)

جدید منکرین حدیث کے مطابق تو اس کا معنی یوں ہو گا کہ چونکہ مشرکین پر جادو گر جادو کر دیتے تھے پس اس وجہ سے وہ تو حیدر سالت کا انکار کر دیتے تھے، حالانکہ یہ معنی خلاف حقیقت ہے۔

ٹھیک اسی طرح ”ان تبعون الا رجلاً مسحوراً“ کا معنی ہے ”تم اتباع نہیں کرتے مگر اس شخص کی جو راہ حق سے پھرنا ہوا ہے“ یعنی مصروفًا عن الحق۔

اسی طرح علامہ محمد بن ابی بکر الرازی الحنفی الماتریدی نے لکھا ہے:

﴿ ان تبعون الا رجلاً مسحوراً أَي مصروفًا عن الحق ﴾

یعنی آیت میں موجود لفظ ”مسحوراً“ کا معنی ہے ”حق سے ہٹایا ہوا۔“

(تفسیر غریب القرآن العظیم، مطبوعہ انقرہ۔ ترکی: ص 213)

پس ثابت ہوا کہ جادو علی النبی کی احادیث اس وجہ سے بھی اس آیت کریمہ سے متعارض نہیں ہیں کیونکہ ”مسحوراً“ کا معنی ”جس پر جادو کیا گیا“ نہیں ہے یعنی یہاں لفظ ”مسحور“ کا وہ معنی ہی نہیں ہے جس معنی کی بنا پر موجودہ منکرین نے احادیث صحیحہ متفق علیہا کا انکار کیا ہے۔ گویا وہ بانس ہی نہیں رہا جس سے منکرین اپنی بانسری بنانا چاہتے تھے۔

☆ نیز بعض مفسرین نے ”مسحوراً“ کو بمعنی ”ساحر“ بھی لیا ہے کیونکہ مشرکین از راہ عناد آپ ﷺ کو ساحر بھی کہتے تھے، اور ساحر، بحر زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔

مفسر محمود آلوی حنفی لکھتے ہیں:

((وَجْلَ بَعْضُهُمْ [مسحوراً] بِمَعْنَى سَاحِرًا كَمْسُوْرٍ بِمَعْنَى سَاتِرٍ))

”یعنی بعض مفسرین نے ”مسحور“ سے ساحر مراد لیا ہے۔ جیسا کہ ”مسحور“ سے

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

ساتر مراد لیا ہے۔“

(روح العالی: زیر تفسیر سورت اسراء آیت ۲۷)

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

”بعض نے ”مسحور“ کو یہاں ”ساحر“ کے معنی میں لیا ہے گویا اسکی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔“ (تفسیر عثمانی: ص 380)

نوٹ: اسم فاعل (یعنی ساحر) کو اسم مفعول (یعنی مسحور) کے لفظ کے ساتھ ذکر کرنا

علماء نحو کے نزدیک جائز ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے:

((وجَوَّزَ الأَخْفَشُ مَجِيءَ مَفْعُولٍ بِمَعْنَى فَاعِلٍ))

”یعنی امام اخفش“ نے فاعل کے معنی میں مفعول ذکر کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔“

(تفسیر نیشاپوری: زیر تفسیر سورت اسراء آیت ۲۱)

اسی طرح مفسر ابو حیان اندر کی لکھتے ہیں:

((وَقَالَ الْأَخْفَشُ وَجْمَاعَةً [مَسْتُورًا] سَاتِرًا وَاسْمَ الْفَاعِلِ قد

يُجِيءُ بِلِفْظِ الْمَفْعُولِ))

”یعنی اخفش اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ ”مستورا“ کا معنی ”ساتر“ ہے۔ اور

اسم فاعل کبھی مفعول کے لفظ کے ساتھ بھی آتا ہے۔“

(ابن حمیط، زیر تفسیر سورت اسراء، آیت ۲۵)

اسی طرح بعض نے مسحورا کا معنی مخدوعا بھی کیا ہے۔ ”تفسیر الباب“ کے مصنف لکھتے

ہیں:

((قَالَ مجاهد رَحْمَهُ اللَّهُ مَخدُوعًا ، وَقَيلَ مصروفًا عن

الْحَقِّ ، يَقَالُ : مَا سَحْرُكَ عَنِ كَذَا ، اَى : مَا صَرْفُكَ ، وَقَيلَ

: الْمَسْحُورُ هُو الشَّيْءُ الْمَفْسُودُ ، يَقَالُ : طَعَامُ مَسْحُورٍ ، اَذَا

فسد، وارض مسحورہ، اذا اصابها من المطراکث مما ينبغي فافسدھا))

”یعنی مجاهد تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسحورا کا معنی ہے ”دھوکہ زدہ۔“ اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے ”حق سے پھیرا ہوا“، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”ماحرک عن کذا“، یعنی تجھے اس کام سے کس چیز نے ہٹا دیا، اور کہا گیا ہے کہ ”مسحور“ بے فائدہ اور خراب چیز کو کہا جاتا ہے، جیسے ”طعام مسحور“، یعنی خراب کھانا، اور ”ارض مسحورۃ“، اس زمین کو کہا جاتا ہے جہاں ضرورت سے زائد بارش آجائے اور زمین کاشت کے قابل نہ رہے۔“

(تفسیر الباب لابن عادل: زیر تفسیر سورت اسراء آیت: ۲۷)

اسی طرح علامہ ابو الحسن الماوردي رحمہ اللہ، آیت (ان تتبعون الا رجال مسحوراً) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((أن معنى مسحور مخدوع ، قاله مجاهد))

”یعنی مسحور کا معنی ہے ”دھوکہ زدہ“، مجاهد نے یہ معنی بیان کیا ہے۔“

(النکت والعيون - زیر تفسیر سورت اسراء آیت: ۲۷)

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قال مجاهد مسحوراً ای مخدوعاً مثل قوله فأنیٰ تُسَحِّرونَ ای مِنْ این تُخَدِّعُونَ))

”امام مجاهد تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسحورا کا معنی ہے دھوکہ دیا ہوا، جس طرح ”فانیٰ تُسَحِّرونَ“ کا معنی ہے ”تم کہاں سے دھوکہ دیے جاتے ہو۔“

(تفسیر قرطبی: 10/272 مطبوعہ دارالحیاء التراث العربي بیروت)

اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((قال مجاهد (مسحورا) ای مخدوعاً وذاك لأن المشركين كانوا يقولون: ان محمدأ يتعلم من بعض الناس هذه الكلمات وأولئك الناس يخدعونه بهذه الكلمات وهذه الحكايات فلذاك قالوا: انه مسحور ای مخدوع))

”یعنی مجاهد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسحورا کا معنی ہے دھوکہ دیا ہوا۔ اس لیے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ بعض آدمیوں سے یہ کلمات (کلمات وحی) سیکھتا ہے اور وہ لوگ اسے ان کلمات و حکایات کے ذریعے دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لیے مشرکین نے آپ ﷺ کو مسحور یعنی دھوکہ کھانے والا کہا۔“

(تفسیر کیر (مفاتیح الغیب) زیر تفسیر سورت اسراء آیت ۲۷: ۶۷)

یعنی ”مسحورا“ کے لفظ میں کم از کم پانچ معانی کا احتمال پایا جاتا ہے:

(۱) جادو زده (۲) مجنون (۳) جادو گر (۴) حق سے پھیرا ہوا (۵) دھوکہ دیا ہوا لہذا ”مسحور“ کا لفظ محتمل المعنی ہونے کی وجہ سے بھی جدید منکریں حدیث کا متدل نہیں بن سکتا۔

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الاستدلال انما يكون بالألفاظ التي لا يطرقها الاحتمال ومتى طرق اللفظ الاحتمال سقط به الاستدلال))

”یعنی ان الفاظ سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں (کسی اور معنی کا) احتمال نہ پایا جاتا ہو، جب کسی لفظ میں احتمال پایا جائے تو اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔“

(أسال أکاء مع تحقیق اجلاء السیوطی: 64 مطبوعہ دارالبازللش و التوزیع مکتبۃ المکتبۃ)

”ساحر“ اور ”ساحرالبیان“ میں فرق:

مودودی صاحب نے لکھا ہے:

”کفار مکہ آپ ﷺ کو سحر زدہ آدمی اس معنی میں نہیں کہتے تھے کہ آپ ﷺ کسی جادو کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ کسی جادوگر نے معاذ اللہ آپ ﷺ کو پاگل کر دیا ہے اور اس پاگل بن میں آپ ﷺ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔“

منکرینِ حدیث سحر نے مودودی صاحب کی یہ عبارت نقل کر کے لکھا ہے:
 ”اگر اس جواب کو صحیح مان لیا جائے تو رسول اللہ کو ساحر (جادوگر) کہنا بھی جائز ہوگا کیونکہ انتہائی فصح کلام پر بھی سحر کا اطلاق ہوتا ہے جانِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: ((ان من الإبیان لسحراً))
 ”(بعض بیان سحر ہوتے ہیں)۔“

تبصرہ

یہ کچھ فہمی اور ہست دھرمی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کسی شخصیت پر مطلق کسی نام کے اطلاق کا معنی اور ہوتا ہے، اور جب اسی اسم کو کسی دوسرے اسم کے ساتھ مقید کر کے استعمال کیا جائے تو اس کا معنی اور ہوتا ہے۔ مثلاً! کسی بھی انسان کو علی الاطلاق ” قادر ” کہنا ناجائز اور حرام ہے کیونکہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، مگر کسی ایسے شخص کو جو گفتگو اور تقریر وغیرہ میں پوری قابلیت اور مکمل مہارت رکھتا ہو، ” قادر الکلام ” کہنا جائز ہے۔ یعنی وہ اسم جس کا علی الاطلاق استعمال ناجائز تھا، جب کلام کے ساتھ مقید کر دیا گیا تو اس کا استعمال جائز سمجھا گیا۔

اسی طرح سمجھ لیجیے کہ ” بیان ” کو حقیقی جادو نہیں کہا گیا بلکہ مجاز ا جادو سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اگر ” بیان ” یا ” فصح کلام ” کو بھی حقیقی جادو فرار دیا جائے تو جس طرح جادو کرنا حرام ہے اسی طرح فصاحت کے ساتھ بیان کرنا بھی حرام ہوتا، مگر ایسا نہیں ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ ” بیان ”

ایک ایسا "سحر" ہے جسے شریعت میں جائز اور حلال سمجھا گیا ہے۔ جبکہ مطلقاً "سحر" کا لفظ جہاں استعمال کیا جائے گا وہاں حقیقی جادو ہی مراد ہوگا جو کہ حرام ہے۔ لہذا کسی بھی مومن کو مطلقاً ساحر کہنا جائز ہے کیونکہ اس وقت حقیقی جادو گر مراد لیا جائے گا جو کہ کافر ہوتا ہے، البتہ کسی مومن کو "ساحر البیان" کہنا جائز ہے کیونکہ اس وقت حقیقی جادو مراد نہیں ہوتا بلکہ ایسا (مجازی) سحر (یعنی فصاحت والا بیان) مراد ہوتا ہے جو شریعت میں جائز اور حلال ہے۔

مفسر شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوی حنفی لکھتے ہیں:

((وَيُسْمِي سَحْراً حَلَالاً وَمِنْهُ قَوْلُهُ مُشَكَّلَةً: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا))

یعنی بیان والے سحر کو حلال کہا گیا ہے اور اسی سے ہے آپ ﷺ کا یہ فرمان:
کہ بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔"

(تفسیر روح المعانی: زیر تفسیر سورت بقرہ آیت: ۱۰۲)

جدید منکرین کے رہبر و رہنماء علامہ جاصح حنفی لکھتے ہیں:

((فَهَذَا مِنَ السِّحْرِ الْحَلَالِ الَّذِي أَقْرَأَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عُمَرُ بْنُ الْأَكْعَمَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْخُطْهُ مِنْهُ وَرَوَى أَنَّ رَجُلًا تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ بَلِيقٍ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ عُمَرُ: هَذَا وَاللَّهِ السِّحْرُ الْحَلَالُ .))

"یعنی یہ (بیان والا) وہ حلال جادو ہے جس پر آپ ﷺ نے عمر بن اکعمن کو برقرار رکھا اور اس کی وجہ سے اس پر ناراض نہ ہوئے۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے سامنے ایک شخص نے بیغ کلام کے ساتھ گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ حلال جادو ہے۔"

(احکام القرآن للجصاص باب اخر و حکم الماجر: 103/1)

نیز علامہ جاص مطلق سحر اور مقید سحر کا فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((متى أطلق ولم يقييد أفاد ذم فاعله وقد أجري مقيدا فيما يمتدح ويحمد كما روى: ان من البيان ليس حراً))

”یعنی جب سحر کا لفظ بغير کسی قید کے مطلقًا بولا جائے تو اس کے فاعل یعنی ساحر کی ندامت کی جاتی ہے، اور کبھی ایسے الفاظ کے ساتھ مقید کر کے بولا جاتا ہے جن کی تعریف کی جاتی ہے، جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔“

(ایضاً: 1/102)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((متى أطلق ولم يقييد أفاد ذم فاعله..... وقد يستعمل مقيداً فيما يمدح ويحمد..... فقال رسول الله ﷺ "ان من البيان ليس حراً"))

”یعنی جب سحر کا لفظ بغیر کسی قید کے مطلقًا استعمال کیا جائے تو اس کے فاعل کی ندامت کی جاتی ہے۔ اور کبھی کسی ایسی قید کے ساتھ مقید کر کے استعمال کیا جاتا ہے جس کی مدح اور تعریف کی جاتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب): زیر تفسیر بقرہ آیت ۱۰۲)

امید ہے اب مذکور میں حدیث سمجھ گئے ہو گئے کہ کسی لفظ کو مطلق استعمال کرنے اور مقید استعمال کرنے میں کیا فرق ہوتا ہے۔

آیت ”الذی یتخبطه الشیطان“ سے استدلال غلط ہے: متفق علیہ حدیث سحر کو قرآن سے متصادم ثابت کرنے کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے گئے

ہیں، جن میں سے ایک کوشش بعض الناس نے یہ بھی کی ہے کہ قرآن مقدس میں ہے:
 ”جو لوگ کھاتے ہیں سودنیں انھیں گے قیامت کو مگر جس طرح امتحنا ہے وہ شخص
 کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں شیطان نے لپٹ کر۔“ لہذا مخبوط الحواس
 ہونا، بہکی بہکی باتیں کرنا، حواسِ دماغیہ کا صحیح استحضار نہ ہونا وغیرہ کسی مومن کیلئے
 بھی ثابت نہیں چہ جائیکے امام المرسلین کی ایسی حالت ہو جائے اور وہ بھی عمل
 شیطانی سے جیسا کہ روایات کے الفاظ سے ظاہر ہے۔“انتهیٰ بلطفہ

تبصرہ:..... ہم بعض حدیث سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں! نکورہ بالا تمام الزامات
 سے صحیحین کی احادیث کا دامن بالکل صاف ہے کیونکہ احادیث سحر میں ”یتخطبه“ کے الفاظ
 ہرگز نہیں پائے جاتے بلکہ ”یخیل الیه“ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ ان دونوں الفاظ میں
 زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ ”یتخطبه“ کا معنی ہے ”اس کو پاگل یا دیوانا بنادیتا ہے“ اور
 ”یخیل الیه“ کا معنی ہے ”اس کو خیال آتا ہے۔“

یہی الفاظ (یخیل الیه) خود قرآن مقدس نے موسیٰ علیہ السلام کیلئے بھی استعمال کیے
 ہیں، تو کیا مفترض کی بیان کردہ علمات معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی چیپاں ہوں گی؟ اگر
 ”یخیل الیه“ اور ”یتخطبه“ کا ایک ہی معنی ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی توجیہ کا مرتكب کون ہوا؟
 جس صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی شکایت بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

((یخیل الیه أَنْهُ يَجِدُ الشَّئْنِ فِي الصَّلَاةِ))

”کیا وہ صحابی معاذ اللہ مخبوط الحواس اور دیوانہ ہو چکا تھا؟“

نیز جو جنتی قیامت والے دن جنت کی طرف دیکھے گا تو: فیخیل الیه أنها ملأى
 (اے خیال آئے گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے) کیا اس جنتی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے
 کہ وہ پاگل اور مخبوط الحواس ہوگا؟ یا یہ کہ دیوانگی کی وجہ سے وہ بہکی بہکی باتیں کرے گا؟۔
 اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی آپ ﷺ کی موجودگی میں

آپس میں اڑ جھکڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک اس طرح غضناک ہوا کہ:
 ((حتیٰ أَنْهُ لِيَتَخَيلُ إِلَى أَنْ أَنْفَهُ لِيَتَمَزَّعُ مِنَ الْغَضَبِ))
 ” حتیٰ کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا (یا خیال آنے لگا) کہ اس کی ناک غصے کی وجہ
 سے پھٹ رہی ہے۔“

(مسند احمد طبعہ جدیدہ مصحح: 6/319)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غصے کی وجہ سے نہ تو ناک پھٹتی ہے اور نہ ہی کا پنچی ہے البتہ سرخ ہو سکتی ہے، بلکہ سیدنا معاذؓ کو خلاف حقیقت اسکی ناک پھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تو کیا اب ”لِيَتَخَيلُ إِلَى“ کے الفاظ کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاذ اللہ سیدنا معاذؓ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ گئے تھے؟ یا وہ نعوذ باللہ مخبوط الحواس ہو گئے تھے؟

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی عبادت کا ذکر کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے مسجد میں جا کر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔ اسکے بعد فرماتی ہیں:
 ((يُخَيِّلُ إِلَى أَنَّهُ يُسَوِّي بَيْنَهُنَّ فِي الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ
الخ))

یعنی مجھے خیال آتا ہے کہ آپ ﷺ تمام رکعات میں برابر مقدار میں قرأت اور رکوع و سجود فرماتے تھے۔

(سنن نسائی باب کیف یُفعَل اذان فتح اصلوۃ قاعداً: رقم الحدیث: 1633، ابو داؤد، ح: 1147)
 سو پنچے کا مقام یہ ہے کہ کیا ام المؤمنین عائشہؓ معاذ اللہؓ ”مخبوط الحواس ہو کر بہکی بہکی باتیں کر رہی ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ مخبوط الحواس وہ لوگ ہو چکے ہیں جو قرآن مقدس سے استدلال کرتے وقت اپنے ہوش و حواس کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔

احادیث صحیحہ کو جھلانے کا یہ کونسا طریقہ ہے کہ حدیث کے الفاظ کو اپنے من پسند معانی کا لباس پہنا کر انہیں بغرض حدیث کی بھٹی میں جھوٹک دیا جائے۔ جب منکرین کا دعویٰ ہے کہ ایسی

امراض تو ”کسی مومن کیلئے بھی ثابت نہیں“، تو ازراہ کرم وہ یہ نہ بتادیں کہ وہ مومن علیہ السلام، وضوء و ٹوٹ جانے کا خیال کرنے والے صحابیؓ، قیامت کے دن جنت کو بھرا ہوا محسوس کرنے والے جنتی شخص، سیدنا معاذؓ اور امام المومنینؓ کو مومن سمجھتے ہیں یا نہیں؟

اگر وہ ان چاروں ہستیوں کو مومن سمجھتے ہیں (اے سمجھنا بھی چاہیے) تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ”یتبخبطہ“ اور ”یخیل الیه“ کے الفاظ آپؐ میں متراوِف اور ہم معنی نہیں ہیں۔ یہی وجہ کہ محدثین نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ جادو کے اثر سے آپ ﷺ کے دل و دماغ بالکل محفوظ رہے تھے کامر۔

لا یفلح الساحر سے استدلال غلط ہے

جدید منکرین حدیث کہتے ہیں کہ احادیث سحر اس آیت قرآنی کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آیت میں ہے کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتا اور حدیث سحر سے ثابت ہوتا ہے کہ جادوگر کامیاب ہو گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث سحر اس آیت کے خلاف بھی نہیں پڑتیں کیونکہ احادیث سحر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جادوگر بالآخرنا کام ہی ہوتا ہے۔ وقتی کامیابی کو کامیابی سمجھنے والا پرے درجے کا احمد ہوتا ہے۔ اور وقتی کامیابی تو خود منکرین حدیث نے بھی قبول کر لی ہے جیسا کہ انہی صفات میں لکھا ہے کہ ”اگر فرض کر لیا جائے کہ کچھ اثر ہوا بھی تھا تو وہ بہر حال وقتی تھا.....“ ص 8

مطلوب صاف ہے کہ وقتی اثر ہو جانا اس آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کیلئے اثر باقی رہے تو تب اس آیت کے خلاف پڑے گا۔ یقین کیجیے احادیث صحیح میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ پر جو جادو کیا تھا اس کا اثر ہمیشہ کیلئے نہیں ہوا تھا بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو شفادے کر جادوگر کو ناکام کر دیا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿كَتَبَ اللَّهُ لِأَغْلِبِنَّ أَنَا وَرَسُولِي﴾ (مجادله: 26)

”اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔“

مگر اس کے باوجود نوح علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنِّي مَغْلُوبٌ فَإِنْتَصِرْ﴾ (قمر: 10)

”اے رب میں مغلوب ہو گیا ہوں تو مدد فرماء۔“

تو اب کیا کہا جائے کہ دوسری آیت پہلی آیت کے خلاف پڑتی ہے؟ نہیں! کیونکہ پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور بالآخر اللہ کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہونگے۔ اور دوسری آیت میں وقت مغلوبیت کا انٹھا رکیا گیا ہے۔ فافهم ولا تکن من الغافلین۔

یا یوں سمجھ بیجیے کہ ایک شخص نے کسی کو قتل کرنے کے ارادے سے اس پر حملہ کیا، مگر وہ شخص معمولی سازخی ہوا اور پھر جلد ہی اس معمولی زخم سے بھی صحیحاب ہو گیا تو کہا جائے گا کہ اس پر ناکام قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ کوئی دانا شخص یہ نہیں کہے گا کہ قاتل کا حملہ کامیاب تھا۔ بالکل اسی طرح یہودی جادوگر نے قتل کرنے کے ارادے سے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اسکے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ جادوگر جو چاہے تدبیر کر لے پھر بھی نبی کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس آیت کا ایک اور معنی بھی ہے

علاوه ازیں آیت ”ولا يفلح الساحر حيث اتى“ میں ایک اور معنی کا احتمال بھی ہے

، جس کی تائید ایک مرفوع حدیث سے بھی ہو رہی ہے۔

امام ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((”قوله تعالیٰ (ولا يفلح الساحر حيث اتى).....عن جنبد بن عبد الله البجلي قال قال رسول الله ﷺ ”اذا أخذتم يعني الساحر فاقتلوه ثم قرأ :ولا يفلح الساحر حيث اتى ، قال:لایأمن حيث وُجد“)

”یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”ولا يفلح الساحر حيث اتى“ کی تفسیر کے ضمن میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ: تم جب جادوگر کو پالوتا سے قتل کر دو۔“

اس لیے انہوں نے کہا کہ ”ولا يفلح الساحر حيث اتى“ کا مطلب ہے کہ: جادوگر نہیں بچ سکتا جہاں بھی پایا جائے۔“

(تفسیر القرآن العظیم ابن ابی حاتم: 9/288 قم: 14346- الکلیل فی استنباط التزیل: 151- الدر المختار: 7/24) اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقد ذُكِرَ عَنْ بَعْضِهِمْ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَعْنَى ذَالِكَ: إِنَّ السَّاحِرَ يُقْتَلُ حِيثُ وُجُودُهُ))

”یعنی بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: جادوگر قتل کیا جائے گا جہاں بھی پایا گیا۔“

(جامع البيان في تأديب القرآن، زیر تفسیر سورت طہ، آیت ۱۸: ۳۳۷ مطبوعہ مؤسسة الرسالة)

لہذا دوسرے معنے کا یقینی اختہال ہونے کی بنا پر بھی اس آیت کو احادیث ححر کے خلاف معرض استدلال میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جب الفاظ میں ایک سے زیادہ معانی کا اختہال پایا جائے تو ان الفاظ سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔ کمامر

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ كَا صَحِحَ مَفْهُومٌ

منکرین حدیث ححر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہو جانا درج بالا آیت کے

خلاف ہے، کیونکہ آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ اگر جادو کا اثر تسلیم کیا جائے تو اس طرح اللہ کا وعدہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے (العیاذ باللہ)

حقیقت یہ ہے کہ دیگر آیات کی طرح یہ لوگ اس آیت کریمہ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتے یا پھر وہ جان بوجھ کرتخیف قرآن کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ آپ ﷺ کو مخالفین و معاندین کی طرف سے کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ سبحانہ یوں نہ فرماتے:

﴿وَاصْبِرُوْمَا صَبِرَكُ الَّا بِاللَّهِ ۝ وَلَا تَحْزُنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تُنكِثْ فِي﴾

ضيق مما يمكررون ﴿النحل: 16/127﴾

”اور آپ صبر کیجیے، اور آپ کا صبر اللہ ہی کی مدد سے ہے، اور ان پر غم نہ کیجیے، اور آپ ﷺ میں نہ پڑیں ان کے مکر کی وجہ سے۔“

یعنی مخالفین کے مظالم و شدائید پر صبر کیجیے اور یہ سہل کام نہیں اللہ ہی مدد کرے تو آدمی اس قدر تکالیف کو صبر کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دشمنوں سے بچانے کے وعدے کے باوجود آپ ﷺ پر تکالیف آتی رہی ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ النَّاسِ﴾ میں تکالیف و شدائید سے بچانے کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ آپ ﷺ کی جان کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر ہونے والے قاتلانہ حملوں کو کامیاب نہیں ہونے دے گا اور آپ کی جان کی حفاظت کرتا رہے گا۔ ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلَغَ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعُلْ

فَمَا بَلَغَتْ رِسَالَتُهُ ۖ وَاللَّهُ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (المائدہ: 5/67)

”اے رسول پہنچا دیجیے جو آپ پر اتارا گیا آپ کے رب کی طرف سے، اور اگر

آپ نے ایمانہ کیا پھر تو آپ نے نہ پہنچایا اس کا پیغام، اور اللہ آپ کو بچالے گا لوگوں سے، بے شک اللہ تعالیٰ راستہ نہیں دکھلاتا کافروں کو۔“

یعنی جو کچھ آپ پر پروردگار کی طرف سے اتارا جائے، آپ بلا خوف و خطر پہنچاتے رہیے۔ عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہء تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے قاصر رہتا ہے۔

(۱)..... یا تو اسے اپنے فرض کی اہمیت کا پورا احساس اور شغف نہیں ہوتا

(۲)..... یا لوگوں کی مخالفت سے جان گتوانے کا خطرہ ہوتا ہے

(۳)..... یا مخالفین کے عام تردود و غیان کو دیکھتے ہوئے تبلیغ کے بار آور اور نتیجہ خیز ہونے سے مایوسی ہوتی ہے۔

جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کو اپنے فرض کی اہمیت کا پورا احساس نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید فرمادی ”یا ایها الرسول“ سے لے کر ”فما بلغت رسالته“ تک اسی کا بیان ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے فریضہء تبلیغ کی ادائیگی سے قطعاً نہیں رک سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مزید تسلی دے دی؛ ”وَاللَّهُ يعْصِمُ مَنِ الْمَاءَ“ میں اسی کا بیان ہے اور تیری وجہ کا جواب ﴿ اَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ میں دیا گیا ہے۔ یعنی آپ اپنا فرض ادا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کی جان و حیات کی حفاظت کرنے والا ہے، باقی ہدایت و مثالات اللہ کے ہاتھ میں ہے، آپ مخالفین کے انکار و وجود سے غلیظین ہو کر فریضہء تبلیغ ترک نہ کر بیٹھیں۔ پس نبی کریم ﷺ نے اسی ہدایت رباني کے پیش نظر فریضہء تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ فریضہء تبلیغ کی ادائیگی کے دوران آپ ﷺ پر کوئی قاتلانہ اور جان لیوا حملہ کا میاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔ باقی رہا مخالفین کی طرف سے دیگر جسمانی تکالیف اور اذیتیں پہنچنا، تو اس آیت میں ان کی نفعی نہیں ہے۔

علامہ محمود آلوی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((والمراد بالعصمة من الناس حفظ روحه عليه الصلوة والسلام من القتل والاحلاك، فلا يُرد أنه شَكِّلَ شَجَّ وجْهَ الشَّرِيفِ وَكُسْرَتْ رِباعيَّةُ يَوْمَ أَحَدٍ))

یعنی اس آیت میں عصمة سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی جان کو قتل اور ہلاک ہونے سے محفوظ رکھے گا۔ اس حقیقت کو رذیفیں کیا جاسکتا کہ جنگ احمد کے موقع پر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی کیا گیا اور آپ ﷺ کے دندان مبارکہ بھی شہید کیے گئے۔“

(تفسیر روح المعانی: زیرتفسیر سورت مائدہ آیت ۷۵/۷۶)

امام علی بن محمد بن ابراہیم الخازنؓ اور امام ابو محمد حسین بن مسعود البغويؓ فرماتے ہیں:

((فَإِنْ قَلْتَ أَلَيْسَ قَدْ شَجَّ رَأْسَهِ وَكُسْرَتْ رِباعيَّةُ يَوْمَ أَحَدٍ وَقَدْ أُوذَى بِضَرْوَبِ مِنَ الْأَذَى فَكَيْفَ يَجْمِعُ بَيْنَ ذَالِكَ وَبَيْنَ قَوْلِهِ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ قَلْتُ لِلَّهِ أَنَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ الْقَتْلِ فَلَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ أَحَدٌ إِرَادَةً بِالْقَتْلِ وَيَدْلِلُ عَلَى صَحَّةِ ذَالِكَ مَا رَوَى عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ غَزَى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَبْلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَفَلَ مَعَهُ فَادْرَكَتْهُمُ الْقَاتِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرٍ الْعَضَاءِ وَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَحْتَ شَجَرَةً فَعُلِقَ بِهَا سَيْفُهُ وَنَمَّا مَعَهُ نَوْمَةً فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُونَا وَإِذَا عَنْهُ أَعْرَابٌ فَقَالَ أَنَّ هَذَا اخْتَرَطَ عَلَى سَيْفِي وَإِنَّ نَائِمًا فَإِسْتِيقْظَتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلَتَا فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنْ فَقَلْتُ لِلَّهِ ثَلَاثًا وَلَمْ يَعْاقِبْهُ (وجلس))

”یعنی اگر تم کہو کہ کیا احد کی لڑائی میں آپ ﷺ کا سرمبارک زخم نہیں ہوا تھا، اور آپ کے دندان مبارکہ شہید نہیں کیے گئے تھے، اور کیا آپ کو مختلف قسم کی اذیتیں نہیں پہنچائی گئی تھیں؟۔ تو پھر ان سب واقعات اور آیت ”واللہ یہ حسمک من الناس“ میں کس طرح تطبیق دی جائے گی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت سے مراد ہے کہ اللہ آپ کو قتل ہونے سے بچائے گا، ارادہ قتل رکھنے والا کوئی شخص آپ کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اور اس مفہوم کی صحت پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے (وہ روایت کرتے ہیں) کہ وہ نجد کے علاقے کی طرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے، پس جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ واپس چلے۔ واپسی کے سفر میں انہیں ایک ایسی وادی میں قیولہ کا وقت ہو گیا جس میں کثرت سے کائنے دار جهازیاں تھیں۔ پس آپ ﷺ اسی وادی میں اتر پڑے اور دوسرے لوگ بھی جهازیوں کے سامنے کی تلاش میں ادھر ادھر بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ ایک جهازی کے سامنے میں آرام کرنے کی غرض سے اترے اور اپنی تلوار اسی درخت کے ساتھ لٹکا دی پھر ہم سب آپ ﷺ کے ساتھ سو گئے (یعنی سب کو نیند آگئی)۔ پس اچانک ہم نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں بلا رہے ہیں اور آپ کے پاس ایک اعرابی بھی کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے مجھ پر میری تلوار سوت لی تھی جبکہ میں سویا ہوا تھا، پس میں جاگ پڑا اور نگلی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ پس اس نے مجھ کہا تمہیں مجھ سے کون بچا گا؟ میں نے تین بار کہا: اللہ! اور آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا نہ دی اور بیٹھ گئے۔“

(خازن: 61۔ بغوی بہامش خازن: 61)

یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ ﴿یعصمک من الناس﴾ پورا فرمادیا۔ اسی طرح یہودی جادوگر کا ارادہ تو یہی تھا کہ وہ جادو کے ذریعے آپ ﷺ کو معاذ اللہ قتل کر دے

مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ ارادہ ناکام بنادیا۔ آپ ﷺ کو معمولی سا عارضی اثر ہوا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، یعنی یہ ایک ناکام قاتلانہ حملہ تھا۔ جس طرح یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی غرض سے زہر کھلایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اسکے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا، البتہ زہر کا کچھ اثر آپ ﷺ کے وجود اقدس میں آخر تک باقی رہا۔

وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَالصِّحْحِ مفہوم

منکرین حديث حرام آیت کے بارے میں کہتے ہیں:

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جادوگر جادو کے ذریعے کسی ایک کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جس کسی کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ کے نظام تقدیر کے مطابق اللہ کے حکم سے پہنچتی ہے۔“ (توحید یا جادو: ص 4)

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جادوگر اللہ کی مشیت سے بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے (العياذ بالله)۔ یہ آیت کا صحیح مفہوم نہیں بلکہ تحریف ہے۔ قرآن کا قاعدہ ہے بلکہ قرآن تو کیا پوری عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جس مضمون کو ”ما“، ”نا فیہ اور ”الا“ کے ساتھ بیان کیا جائے اسکی نفع مراد نہیں ہوتی بلکہ اس سے اثباتی و حصری مفہوم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جس جملے پر ”ما“، ”نا فیہ داخل کیا گیا ہو“ ا لآ“ اس جملے کے مضمون کو اثبات میں بدل دیتا ہے۔ اگر حرف ”الآ“ کے آنے کے بعد بھی ”ما“ مطلقاً نافیہ قرار دیا جائے تو اس سے ایک تو غرض متكلّم بھی پوری نہیں ہوتی اور دوسرے مفہوم میں ایسی خرابی پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی دائرہ ایمان سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً! ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

(آل عمران: 145/3)

”اور کوئی مرنہیں سکتا مگر اللہ کے اذن سے۔“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی مشیت سے بھی کوئی نہیں مرن سکتا، بلکہ ”ما“ نے جس فعل (تموت) کی نفی کی تھی ”الا“ نے اس کو اثبات میں بدل دیا ہے۔ یعنی کوئی بھی نفس صرف اللہ کی مشیت سے مرن سکتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ الْآَبَادْنَ اللَّهُ﴾ (یونس: 100/10)

”اور کوئی ایمان نہیں لے آتا مگر اللہ کے اذن سے۔“

منکرین حدیث کے بیان کردہ مفہوم کے مطابق اس کا معنی اس طرح بنے گا:

”کوئی اللہ کی مشیت سے بھی ایمان نہیں لے آتا۔“

حالانکہ نہ تو یہ متکلم (اللہ سبحانہ) کی غرض ہے اور نہ ہی اس قسم کا مفہوم نکالنے سے ایمان سلامت رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ لوگ ایمان تولا تے رہے ہیں، لہذا اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو شخص بھی ایمان لے آتا ہے، وہ اللہ کی مشیت سے ہی لے آتا ہے۔ یعنی حرف ”ما“ نے جس فعل (ہم من) کی نفی کی تھی ”الا“ نے اسکو اثبات میں بدل دیا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةً الْآَبَادْنَ اللَّهُ﴾

(رعد: 13/38. غافر: 40/13)

”اور نہیں ہوا کسی رسول سے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے۔“

منکرین حدیث کی عقل کے مطابق اس کا معنی یوں ہوگا:

”کوئی رسول، اللہ کے اذن سے بھی کوئی نشانی نہیں لے سکتا۔“

ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ یہی ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اللہ کی مشیت سے بھی کوئی رسول مجرم نہیں دکھا سکتا؟۔ یقیناً جواب نفی میں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کے رسول

نشانیاں تو لے آتے رہے ہیں۔ اب یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہاں ”ما“ نافیہ مطلق نہیں ہے بلکہ ”الا“ کے ساتھ مقید ہے اور ”الا“ نے ”ما“ کے مدخل میں اثباتی مفہوم پیدا کر دیا ہے۔ اب صحیح مفہوم یہ ہو گا کہ ”جور سول بھی نشانی لے آیا، اللہ کی مشینیت سے ہی لے آیا۔“

ٹھیک اسی طرح فرمایا:

﴿ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ (البقرہ: 102)

”اور نہیں ہیں وہ کسی کو جادو کے ذریعے نقصان پہنچانے والے مگر اللہ کے اذن

سے۔“

سابقہ آیات کی طرح یہاں بھی حرف ”ما“، مطلق نفی کے لیے نہیں بلکہ ”الا“ کے ساتھ مقید ہے اور ”ما“ نے جس چیز کی نفی کی تھی حرف ”الا“ نے اس کا اثبات کر دیا ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ جادو گر کسی کوسرے سے نقصان پہنچاہی نہیں سکتے، بلکہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ جادو گر جادو کے ساتھ جس کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں، اللہ کی مشینیت سے ہی پہنچاتے ہیں، اگر اللہ کی مشینیت وارادہ نہ ہو تو وہ جادو کے ذریعے کسی ایک کو بھی نقصان نہیں پہنچاسکتے۔ یعنی یہ آیت منکرین کے علی الرغم جادو کا باذن اللہ موثر ہونا ثابت کر رہی ہے۔

تفسیر خازن و معالم التزیل میں ہے:

﴿ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ إِذْنَهُ بِعِلْمِهِ وَقِضَائِهِ وَتَكْوينِهِ فَالساحِرُ يَسْحِرُ وَاللَّهُ تَعَالَى يَقْدِرُ ﴾

”وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“ یعنی جادو گر کے جادو کے ذریعے اللہ کے علم و قضاء اور ارادہ کو نہیں سے نقصان پہنچتا ہے۔ جادو گر تو جادو کرتا ہے باقی اس میں اثر پیدا ہونا اللہ کی لقدر یہ سے ہے۔“

(تفسیر خازن و بہامشہ معالم التزیل: 1/78)

مفسر محمود آلوی حنفی لکھتے ہیں:

((والمراد من الاذن هنا التخلية بين المسحور وضرر السحر قاله الحسن وفيه دليل على أن فيه ضرراً مودعاً، اذا شاء الله تعالى حال بيته وبينه ، واذا شاء خلاه وما اودعه فيه ، وهذا مذهب السلف فيسائر الأسباب والممیّات))

”یعنی اس آیت میں ”اذن“ سے مراد ہے مسحور اور جادو کے ضرر کو تھا چھوڑ دینا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جادو کے ضرر کو نہ ہٹایا جانا) یہ معنی حسن نے بیان کیا ہے، اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جادو میں نقصان اور ضرر رکھا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے تو مسحور اور جادو کے ضرر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (یعنی نقصان نہیں پہنچنے دیتا) اور جب چاہتا ہے مسحور اور جادو کے ضرر کو اکیلا چھوڑ دیتا ہے، تمام اسباب اور ممیّات میں سلف صالحین کا یہی مذهب ہے۔“

(روح العالی، زیر تفسیر سورت بقرہ۔ آیت ۱۰۲: ۱/ 445)

اسی طرح مفسر ابو حیان اندر لکھتے ہیں:

((وفي هذه الجملة دليل على أن ما يتعلمون له تأثير وضرر لكن ذلك لا يضر إلا باذن الله))

یعنی اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ جو جادو سیکھتے تھے اس میں اثر اور ضرر پایا جاتا ہے، لیکن یہ جادو صرف اللہ کی مشیخت سے ہی نقصان پہنچاتا ہے۔“

(تفسیر المحرک، زیر تفسیر بقرہ آیت ۱۰۲: ۱/ 434)

اسی طرح سید طنطاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فالسحر سبب عادي لما يُنشأ عنه من الأضرار وينجيز أن يختلف عنه مسبيه اذا أذن الله بذلك.....والمراد (باذن

الله) هنا تخلیتہ سبحانہ بین السحور وضرر السحر ، ای ان شاء حصل الضرر بسبب السحر ، وان شاء منعہ ولا یصيّب المسحور منه شیء من الأذى))

”یعنی جادو نقسان پہنچانے والے عام اسباب میں سے ایک سبب ہے، اور جائز ہے کہ جب اللہ کی مشیت ہو تو اس کا اثر ظاہرنہ ہو۔ اور یہاں (باذن اللہ) سے مراد ہے مسحور اور جادو کے اثر کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حائل نہ ہونا (یعنی مسحور تک جادو کا اثر پہنچنے دینا)۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو جادو کے سبب سے نقسان پہنچ جاتا ہے، اور اگر چاہے تو اس نقسان کو روک دے اور مسحور کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دے۔“

(الفیر الوسیط، زیر تفسیر بقرہ، آیت ۱۰۲ / ۱۷۱)

عقیدہ اور خبر واحد

چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ”اگر بالفرض (احادیث سحر) صحیح بھی ہوں تو زیادہ سے زیادہ یہ اخبار آحاد ہیں اور عقیدے کے معاملے میں اخبار آحاد سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔“ منکرین حدیث کا درج بالا اصول خود ساختہ اور من گھڑت ہے۔ ائمہ حدیث کے متفق علیہ اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ صحیح اصول یہ ہے کہ عقائد کے بارے میں ان احادیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے جن کی صحت قطعی ہو، چاہے وہ متواتر ہوں یا اخبار آحاد۔ متواتر کے علاوہ تمام احادیث اخبار آحاد ہیں، چاہے خبر دینے والا ایک ہو یا دس بیس، اصطلاح میں یہ خبر واحد ہی ہوگی۔ متواتر کا وجود چونکہ نسبتاً کم ہے لہذا دین کا تقریباً تمام انحصار خبر واحد پر ہے، دینی مسائل کی اکثریت ہم تک خبر واحد کے ذریعے ہی پہنچی ہے۔ اس لیے قرآن مقدس نے بھی عقیدہ و احکام دونوں میں خبر واحد کو محبت قرار دیا ہے، مثلاً:

اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کی ضرورت کے پیش نظر فرمایا:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لَيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّينِ وَلَيَنذِرُوْا﴾

قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ﴿توبه: 122﴾

”یعنی ہر گروہ سے کچھ لوگ علم و تفقہ کے لیے سفر کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں۔“

”طائفہ“ کا لفظ ایک اور اس سے زائد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

((ہی اسم للواحد والاثنين فصاعداً))

”یعنی طائفہ ایک اور اس سے زائد کا نام ہے۔“

(نور الا نوار مع شرح قرآن قمار باب اقسام المئس: 181)

امام ابن تیمیہ الدینوری رحمہ اللہ (۲۷۶ھ) بعض معتزلہ و مکریں کو جواب دیتے ہوئے

لکھتے ہیں:

((قالوا وأقل ما تكون الطائفة ثلاثة و غلطوا في هذا القول لأن

الطائفة تكون واحداً وثنين وأكثر لأن الطائفة بمعنى

القطعة والواحد قد يكون قطعة من القوم))

”یعنی انہوں نے کہا ہے کہ ”طائفہ“ کم از کم تین افراد کو کہا جاتا ہے حالانکہ ان کا

یہ قول غلط ہے کیونکہ ”طائفہ“ ایک، دو، تین اور اس سے زیادہ افراد کو کہا جاتا

ہے۔ کیونکہ ”طائفہ“ کا معنی ہے ٹکڑا، اور ایک بھی قوم کا ٹکڑا ہوتا ہے۔“

(تاویل مختلف المدیث ص: 45 مطبوعہ دارالکتاب العربي بیروت۔ لبنان)

پس طائفہ کی خبر، خبر واحد ہی ہوگی، ان کے علم و اذکار پر کوئی عددی پابندی نہیں لگائی گئی

کہ جب تک وہ سوچاں نہ ہو جائیں کسی کو عقیدہ عمل کی کوئی بات نہ سمجھائیں۔ ظاہر ہے کہ

جب وہ لوگوں کو اپنی بد عقیدگی اور بد عملی سے ڈرائیں گے تو انہیں صحیح عقائد اور درست اعمال

بھی بتائیں گے، تو قرآن مقدس کی ہدایت کے مطابق ان کے ارشادات پر اعتماد کرنا ضروری ہوگا۔ یعنی قرآن مقدس کی صراحت سے ثابت ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ عمل دونوں کیلئے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر یہ پابندی نہیں لگائی گئی کہ جب تک آپ کے سامعین اور حاضرین کی تعداد حد تک نہ پہنچ جائے آپ عقیدے کا کوئی مسئلہ زبان سے ادا نہ فرمائیں۔ اگر خبر واحد عقیدے کے اثبات کیلئے جلت نہ ہوتی تو آپ کے ارشادات اور تبلیغ پر اس قسم کی پابندی ضرور لگائی جاتی تاکہ عقیدے کا کوئی پہلو ضائع نہ ہو جائے۔ پس قرآن مقدس کی نص سے ثابت ہو گیا کہ خبر واحد عقائد میں بھی جلت ہے۔ اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ الآية (الاسراء 17:36)
 یعنی جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ چل اور نہ اس پر عمل کر۔ جبکہ یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ دورِ صحابہؓ سے لیکر آج تک مسلمان اخبار آحاد کے پیچھے چلتے رہے ہیں، ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان سے امور غیریہ اور حقائق اعتقادیہ بھی ثابت کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ بدءِ اخلاق، عذاب، قبر، سوال نکریں، اشرط الساعۃ اور قیامت کے دن مومنین کیلئے رویت باری تعالیٰ وغیرہ عقائد، بلکہ صفات باری تعالیٰ بھی اخبار آحاد سے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اگر اخبار آحاد سے علم حاصل نہ ہوتا اور عقائد میں جلت نہ ہوتیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظام، تابعین اور ائمہ اسلام ایک ایسی چیز کے پیچھے چلتے رہے جس کا انہیں علم حاصل نہیں ہوا، حاشا وکلا! ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی کسی مسلمان کیلئے زیبا ہے کہ وہ ایسی بات منہ سے نکالے۔ یقیناً اخبار آحاد سے عمل کے ساتھ ساتھ علم بھی حاصل ہوتا ہے تبھی تو جملہ سلف صالحین عقیدہ عمل دونوں میں اخبار آحاد کو جلت سمجھتے رہے ہیں۔

حدیث:..... اب تحویل قبلہ کی صحیح حدیث پیش خدمت ہے جس سے واضح طور پر

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

مکرین حدیث کا رد ہو رہا ہے، نیز جو لوگ سحر علی النبیؐ کو ”عقیدے کا مسئلہ“ سمجھتے ہیں ان کے نزدیک قبلہ کے تعین کا مسئلہ تو یقیناً ”عقیدے کا مسئلہ“ ہو گا۔ کیونکہ عمداؤندہ بآغیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والا شخص ان کے نزدیک بھی اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ عقائد میں بھی خبر واحد جوت ہے، وہ حدیث یہ ہے:-

((عن البراء قال كان رسول الله ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نحو بيت المقدس ستة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً وكان رسول الله ﷺ يحب ان يوجه الى الكعبه فانزل الله عز وجل (قد نرى قلب وجهك في السماء) فتوجه نحو القبلة (وقال السفهاء من الناس) وهم اليهود (ما ولهم عن قبلتهم التي كانوا عليها ط قل لله المشرق والمغرب يهدى من يشاء الى صراط مستقيم) فصلى ﷺ مع النبي ﷺ رجل ثم خرج بعد ما صلى فمر على قوم من الأنصار في صلاة العصر يصلون نحو بيت المقدس فقال هو يشهد أن صلى مع رسول الله ﷺ وانه توجه نحو الكعبه فتحرف القوم حتى توجهوا نحو الكعبه))

”سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ ماسترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں اور آپ اس بات کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ کعبہ کو آپ کا قبلہ بنادیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (قد نزئی تقلب لئے) نازل فرمائی تو آپؐ نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔ اس پر یہود کے احمد لوگوں نے کہا کہ انہیں پہلے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا؟ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) کہہ دیجیے کہ اللہ ہی کیلئے ہے مشرق اور مغرب وہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ پس ایک شخص نے آپؐ کے ساتھ نماز

پڑھی اور باہر نکل پڑا، راستے میں اس کا گزر الفصار کی ایک جماعت پر ہوا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پس اس نے کہا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، پس ان لوگوں نے نماز میں ہی اپنے منہ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔“

(صحیح بخاری واللفظۃ: 1/57۔ صحیح مسلم: 1/200۔ نائل: 1/121، 122)

تحویل قبلہ کی حدیث ابن عمرؓ اور انسؓ سے بھی مردی ہے، اس میں عصر کی بجائے صبح کی نماز کا ذکر ہے۔ تینوں صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہیں کہ تحویل قبلہ کی خبراً کیلئے شخص کی طرف سے دی گئی تھی جس پر اعتماد کرتے ہوئے نماز کے دوران ہی صحابہ کرامؓ کی جماعت نے قبلہ تبدیل کر لیا۔ تو ثابت ہوا کہ ”عقیدہ“ میں بھی خبر واحد جدت ہے۔

اب دوبارہ سمجھ لیجیے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی جو احادیث متفق علیہ ہیں (جیسا کہ حدیث سحر) ان کی صحت کے قطعی اور یقینی ہونے پر امت کا اتفاق ہے لہذا عقائد میں ان احادیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے کامرا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الأحاديث إما إذا كانت في العقائد لا يكفي فيها الا ما يفيد القطع))

”یعنی عقائد میں وہ احادیث کفایت کرتی ہیں جو قطعیت کا فائدہ دیتی ہوں۔“

(فتح الباری: 8/431)

اور یہ حقیقت گز شتر صفات میں واضح کی جا چکی ہے کہ جن احادیث کی صحت پر شیخین (امام بخاری و امام مسلم) کا اتفاق ہے وہ قطعیت اور یقینی علم کا فائدہ دیتی ہیں۔ بلکہ جمہور ائمہ حدیث نے تو ”متفق علیہ“ کی شرط بھی نہیں رکھی:

((ذهب اکثر اهل الحديث الى: ان الأخبار التي حكم اهل الصنعة بصحتها توجيه، غلئم اليقين بطريق الضرورة وهو

مذهب احمد بن حنبل))

”یعنی جمہور ائمہ حدیث کا مذهب یہ ہے کہ وہ احادیث جن پر فرد حدیث کے ماہرین نے صحت کا حکم لگایا ہے، ان سے یقینی ضروری علم حاصل ہوتا ہے اور یہی مذهب امام احمد بن حنبل کا ہے۔“

(کشف الاسرار بزدی ختنی: 2/691)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فقد ثبت يقيناً أن الخبر الواحد العدل عن مثله إلى رسول الله ﷺ حق مقطوع به موجب للعمل والعلم))

یعنی یہ یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ ایک عادل راوی کی اپنے ہی جیسے عادل راوی سے روایت کی ہوئی متصل مرفوع حدیث حق ہے اور قطعی اصح ہے، اس پر عمل بھی واجب ہے اور اس سے یقینی علم بھی ساصل ہوتا ہے۔“

(احکام لا صول للاحکام: 1/112، الناشر زکریا علی یوسف مطبعة العاصمة بالقاهرة)

امام علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فقوله تعالى ”ولا تقف ما ليس لك به علم“ تھی عن اتباع غير العلم ، وقد أجمعنا على جواز اتباع خبر الواحد في احكام الشرع ولزوم العلم به ، فلو لم يكن خبر الواحد مفيداً للعلم لكان الاجماع مبنعاً على مخالفة النص ، وهو ممتنع))

”یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی اتباع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور ہم (یعنی مسلمان) احکام شریعت میں خبر واحد کی اتباع کرنے اور اس سے علم کے لزوم پر اجماع کر چکے ہیں۔ اگر خبر واحد سے علم نہ

حاصل ہوتا ہو تو اس کا مطلب ہوا کہ اجماع نص کی مخالفت میں منعقد ہو چکا ہے، حالانکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔“

(الاحکام فی اصول الاحکام الامدی: 2/35 مطبوع المکتب الاسلامی بیروت)

امام ابن قیم فرماتے ہیں:

”جو لوگ خبر واحد سے علم کی نفی کرتے ہیں وہ معزلہ اور بدی فرقوں سے متاثر ہیں، سلف امت میں ان کا کوئی پیشوں نہیں ہے۔ آئندہ سنت امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد، امام داود، ابن حزم اور حسین بن علی وغیرہ نے فرمایا کہ خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔“

(صوات عن مرسلا: 2/362 بحوالہ جیت حدیث ص 118)

علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((والحق ان التفریق بین العقیدة والاحکام فی وجوب الأخذ
فیهابحدیث الآحاد فلسفة دخیلة فی الاسلام لا یعرفها
السلف الصالح ولا الأئمة الأربعۃ))

یعنی حق یہ ہے کہ خبار آحاد سے جھٹ پکڑنے میں عقیدہ اور احکام میں فرق کرنے کا فلسفہ باہر سے اسلام میں داخل کیا گیا ہے (یعنی یہ نظریہ اسلامی نہیں ہے) اس نظریے کو نہ تو سلف صالحین جانتے ہیں اور نہ ہی آئندہ اربعہ جانتے ہیں۔“

(الحدیث جیۃ بنفسہ فی العقائد والاحکام: 54)

لہذا صولی حدیث کے مطابق ”صحیح“ ثابت ہونے والی احادیث عقائد کے باب میں بلا شک و شبہ پیش کی جاسکتی ہیں۔

علامہ تفتازانی حنفی کا قول

اپنے دعوے کے لیے بطور دلیل منکرین حدیث نے ”شرح عقائد“ کے حوالے سے

علامہ تفتازانی حنفی کا ایک قول لکھا ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ متقدمین سلف صالحین و ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ خبر واحد عقائد میں بھی جلت ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے معتزلہ نے اختلاف کیا اور خبر واحد کی جیت کے منکر ہوئے۔ معتزلہ حضرات چونکہ فروع میں حنفی المسلک تھے لہذا ان کے میں ملاپ کا یہ اثر ہوا کہ بعض متاخرین احناف نے بھی اس خود ساختہ اصول کو قبول کر لیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابتداءً اصول میں اکثر دو ہی طبقوں کی تقنيفات ہیں، معتزلہ کی اور اہل حدیث کی۔ (کشف الظنون: 1/110)

اصحاب الحدیث کی اصول کی کتابوں میں ایسا کوئی اصول نہیں ہے جس کی بنا پر صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو عقائد کے باب میں روکر دیا جائے۔ البتہ معتزلہ یقیناً اس کے منکر ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ عذاب قبر، سوالِ منکر و نکیر، تقدیر، قیامت سے پہلے جنت و دوزخ کا وجود، پل صراط، روزِ قیامت روئیت باری تعالیٰ، اور گناہ کبیرہ کے مرکب انسانوں کا سزا کے بعد بالآخر جنت میں داخل ہونا وغیرہ عقائد کا انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ سب عقائد تفصیلًا اخبار آحاد سے ثابت ہیں۔ مگر ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ عقیدہ میں خبر واحد کی جیت قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔

جس کتاب (شرح عقائد) کا حوالہ منکرین حدیث نے لکھا ہے اسی کتاب کی شرح ”البراس شرح شرح العقائد“ میں ذکورہ عبارت کی شرح میں لکھا ہے:

((وعندنا في اطلاق نفي العبرة نظر لأن المشائخ ذكر والظنيات في عقائدهم۔۔ والسلف نقلوا الأحاديث الأفراد في احوال المراجـ والقبر والجنة والنار مع انه لا حظ للعمل فيها فلو لم يعتقدها كان روایتها عبـاً وجودها وعدمهها متساوياً وذا باطل))

”یعنی ہمارے نزدیک عقائد میں خبر واحد کی جیت کی مطلقاً نفی کر دینا صحیح نہیں

ہے، کیونکہ مشائخ نے ظدیات کو اپنے عقائد میں ذکر کیا ہے۔ اور سلف صالحین نے معراج، قبر، جنت اور دوزخ کے حالات بیان کرنے والی اخبار آحاد کو قتل کیا ہے حالانکہ ان اخبار آحاد کا تعلق اعمال سے نہیں ہے۔ اگر وہ سلف صالحین ان پر اعتقاد نہ رکھتے ہوتے تو ان احادیث کا روایت کرنا عبث اور بے کار ہوتا، اور ان کا وجود وعدم وجود برابر ہوتا اور یہ نظریہ باطل ہے۔“

(النبراس: 282)

شرح عقائد کے شارح علامہ پرہاروی نے منکرین حدیث کی پیش کردہ عبارت میں جو ابہام تھا، اسے دور کر دیا ہے اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ سلف صالحین نے عقائد میں بھی اخبار آحاد سے استدلال کیا ہے۔

مزید برآں شرح عقیدہ طحاویہ میں علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:

((وخبر الواحد اذا تلقته الْأُمَّةُ بالقبولِ عملاً بِهِ وتصدیقاً لهِ يفید العلم اليقینی عند جماهیر الْأُمَّةِ وهو احد قسمی المتواتر و لم يكن بين سلف الْأُمَّةِ فی ذالك نزاع))
 ”یعنی جب عمل اور تصدیق کے ذریعے خبر واحد کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہوتی وہ خبر واحد جمہور امت کے نزدیک یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے، اور وہ متواتر کی ہی ایک قسم ہے۔ امت کے سلف صالحین کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

(شرح العقيدة الطحاوية: 399)

امام ابو سحاق ابراہیم بن علی الشیرازی رحمہ اللہ (متوفی: 476ھ) لکھتے ہیں:

((خبر الواحد الذي تلقته الْأُمَّةُ بالقبولِ فِيُقْطَعُ بِصَدِيقٍ سواءِ عملِ الْكُلِّ بِهِ أو عَمَلَ الْبَعْضُ))

”یعنی ایسی خبر واحد جسے امت کی تلقی بالقول حاصل ہوا سے قطعی طور پر سچا قرار دیا جائے گا، خواہ ہر ایک نے اس پر عمل کیا ہو یا بعض نے۔“

(اللعن في اصول الفقه باب القول في اخبار الآحاد: 1/ 210)

ابتداً صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ صحیحین کی متفق علیہا احادیث کو تلقی بالقول کا درجہ حاصل ہے اس لحاظ سے تو وہ احادیث متواترات کی ہی ایک قسم سمجھی جائیں گی، لہذا انہیں خبر واحد کہہ کر ٹھکرنا دینا امت کے سلف صالحین کے اجماع کا انکار ہے۔

یہ عقیدے کا مسئلہ نہیں ہے

حرکی حقیقت کا ہونا نہ ہونا تو اعتقادی مسئلہ ہے لیکن نبی پر جادو کا اثر ہونا یا نہ ہونا اعتقادی مسئلہ نہیں ہے۔ تمام کتب عقائد میں جادو کے موثر ہونے کا عقیدہ تو لکھا ہے جیسے شرح العقيدة الطحاوية اور شرح العقائد مع النبر اس وغیرہ (ص: ۲۹۰)، لیکن کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا کہ نبی پر جادو کا ہونا نہ ہونا بھی عقیدے کا مسئلہ ہے۔ اگر جدید منکریں حدیث اسے عقیدے کا مسئلہ سمجھنے پر ہی مُصر ہوں تو انہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ پیغمبر ﷺ پر جادو کا اثر صرف خبر واحد سے ہی ثابت نہیں بلکہ قرآن مقدس سے بھی ثابت ہے جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے اور عقائد میں تو خبر واحد بھی جوت ہے۔

جهالت آمیز دھوکا

جدید منکریں حدیث کا ایک نیاز لا ہتھنڈا یہ ہے کہ عروہ بن زیر کے پانچ بیٹے تھے، ان میں سے چار بیٹے اور ایک پوتا اور ایک بھتیجا حدیث سحر روایت نہیں کرتے، صرف ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں لہذا یہ روایت من گھڑت اور غلط ہے۔

تجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے خود ساختہ نظریات کو پروان چڑھانے کی خاطر کس طرح جاہلائے انداز میں متفق علیہ احادیث رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ کیا پوری امت

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

سے کوئی ایک اہل السنۃ محدث ایسا گزر رہے جس نے یہ کہا ہو کہ جب تک ایک باپ کی ساری اولاد اور نسل کسی حدیث کو روایت نہ کرے اس حدیث کو قابل اعتماد نہ سمجھا جائے؟۔ کیا علوم الحدیث کی بے شمار کتب میں سے کسی کتاب میں یہ اصول بھی لکھا ہے کہ جب تک سارے بھائی اور بھتیجے وغیرہ مل کر کسی حدیث کو بیان نہ کریں اس حدیث کو من گھڑت اور موضوع سمجھا جائے گا؟۔ ہرگز نہیں! کیونکہ ایسی متعدد احادیث موجود ہیں جنہیں امت صحیح قرار دے کر ان پر عمل کرتی چلی آ رہی ہے جنہیں سارے سننے والے بیان کرتے تو تعداد سینکڑوں تک پہنچ سکتی تھی، مگر وہ احادیث کسی ایک ہی شخص سے مروی ہیں۔ مثلاً حدیث:

((انما الأعمال بالنيات))

جو مشہور ترین اور زبان زد عالم ہے، ہزاروں لاکھوں صحابہ کرامؐ میں سے اسے روایت کرنے والے صرف حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں۔ یہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے اور محدثین کا تقریباً اتفاق ہے کہ ان الفاظ سے صحیح سند کے ساتھ کسی دوسرے صحابی سے یہ حدیث مروی نہیں ہے۔ پھر مزید سینے کہ سیدنا عمرؓ نے یہ حدیث بر سر منبر اپنے خطبہ میں بیان فرمائی مگر سینکڑوں حاضرین میں سے صرف علقمہ بن وقارؓ اسے روایت کرتے ہیں، علقمہ سے صرف محمدؐ بن ابراہیم اور ان سے صرف یحییؓ بن سعید روایت کرتے ہیں۔

(کوثر النبی للغفران: ۹)

حدیث حمر کو عروہؓ سے ان کے ایک فرزند ہشامؓ تو روایت کرتے ہیں مگر حضرت عمر بن الخطابؓ کی ساری اولاد میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کو اپنے باپ سے روایت نہیں کیا، تو کیا اس حدیث کو بھی ٹھکر دینا چاہیے؟

اسی طرح صحیح مسلم (ج اص ۲۰) میں ابوطالب کی وفات والی تفصیلی حدیث میتب بن حزنؓ سے مروی ہے، یہ حدیث ان سے صرف ان کے بیٹے سعید بن میتبؓ بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح تحویل قبلہ والی صحیح حدیث صرف تین صحابہ کرامؐ سے مروی ہے کماز۔

الغرض اس طرح کی کئی احادیث موجود ہیں جن کو تمام سنن والے روایت کرتے تو انکی تعداد سینکڑوں تک ہو سکتی تھی مگر وہ احادیث کسی ایک ہی شخص سے مردی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان احادیث کو صرف اس وجہ سے رد کر دیا جائے کہ اسے زیادہ لوگوں نے کیوں روایت نہیں کیا۔ اسی طرح ایک استاد کے کئی شاگردوں میں سے اگر ایک شاگرد کوئی حدیث بیان کرے تو اسے محض اس وجہ سے روپیں کیا جاسکتا کہ استاد کے تمام شاگردوں نے اسے کیوں بیان نہیں کیا۔ البتہ اگر ایک شاگرد کی روایت یا اسکے بعض الفاظ استاد کے باقی شاگردوں کی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہوں اور بقیہ شاگردوں سے زیادہ ثقہ بھی ہوں تو اس اکیلے شاگرد کی روایت کو شاذ قرار دیا جاتا ہے۔ مگر یہاں حدیث سحر میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہشامؓ خود بھی ثقہ ہیں اور انہوں نے اپنے باپ کے باقی شاگردوں کی روایت کردہ احادیث کی قطعاً کوئی مخالفت نہیں کی۔ من ادعی فعلیہ البیان

نیز منکرین سے سوال یہ ہے کہ انہوں نے عروۃؓ بن زیر کے جن بیٹوں کے نام لکھے ہیں، کیا انہوں نے اپنے والد سے حدیث سحر کو چھوڑ کر باقی تمام احادیث روایت کی ہیں؟ اگر انہوں نے اپنے والد گرامی سے صرف حدیث سحر روایت نہیں کی اور باقی تمام روایات بیان کی ہیں تو اس صورت میں منکرین کیلئے اعتراض کی کچھ نہ کچھ گنجائش نکل سکتی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ عروۃؓ بن زیر کے صاحبزادوں نے حدیث سحر کے علاوہ بھی کئی احادیث صحیحہ اپنے والد سے روایت نہیں کی ہیں۔ بلکہ عروۃؓ کے ایک بیٹے عبد اللہ نے تو اپنے والد سے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ (نسب قریش للصعب الزیری جزء سالع باب ولد الزیر بن العوام)

امام ہشام بن عروۃ تابعی پر اختلاط کا اثر امام

صحیحین کی حدیث سحر کو ضعیف بنانے کیلئے اس کے راوی امام ہشامؓ بن عروہ کو مختلط اور ”سُمْهَى يَا هُوَا“ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ بعض الناس کا کہنا ہے کہ:

”حافظ ذہبی ہشام کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں انکے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا اور ابو الحسن بن القطان کا دعویٰ ہے کہ آخر عمر میں احادیث اور ان کی سندات میں گڑبرد کرنے لگے تھے۔ حافظ عقیلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے قد خوف فی آخر عمرہ۔ اپنی آخری عمر میں شہیا گئے تھے..... امام مالک جو ہشام کے شاگردوں میں سے ہیں۔ عراق پہنچنے کے بعد وہ بھی اس سے ناخوش ہو گئے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن فراش کا بیان ہے کہ امام مالک اسے پسند نہ کرتے تھے انہوں نے ان پر اہل عراق کی احادیث کے باعث اعتراض کیے ہیں، ”اتھی بلطف امام ذہبی“ کے حوالے سے ہشام بن عروہ پر جو تہمت (chargesheet) عائد کی گئی ہے، امام ذہبی اس سے بالکل بری الذمہ ہیں۔ امام ذہبی نے تو یہ الامات نقل کر کے انکی پر زور الفاظ سے تردید فرمائی ہے مگر معتبرین نے امام ذہبی کو اپنا ہم نواب اور کروانے کیلئے انکی عبارت کی اصل روح کو ہی فنا کر دیا ہے۔ اب میزان الاعتدال کی وہ عبارت پیش خدمت ہے جس کا خواہ منکرین حدیث نے دیا ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

((ہشام بن عروة أحد الأعلام، حجۃ امام ، لكن فی الكبر تناقض حفظه ولم يختلط ابداً ولا عبرة ما قاله ابوالحسن بن القطان من أنه وسهيل بن ابی صالح اختلطتا وتغييراً نعم الرجل تغير قليلاً ولم يبق حفظه كھو في حال الشبيبة فنسى بعض محفوظه او وهم فكان ماذا! هو معصوم من النسيان او لما قدم العراق في آخر عمره حدث بجملةً كثيرةً من العلم ، في غضون ذلك يسيرُ احاديث لم يوجد لها ومثل هذا يقع لمالك وشعبة ولو كييع ولكلبار الثقات فدع عنك الخطط وذر خلط الأئمة الأئبات بالضعفاء والمخلطيين

فہشام شیخ الاسلام ولکن احسن اللہ عزاء نا فیک یابن القطان، وکذا قول عبد الرحمن بن خراش: کان مالک لا یرضاه نقم علیه لأهل العراق))

یعنی ہشام بن عروہ رئیس الحمد شین میں سے ہیں اور ججۃ اور امام ہیں۔ بڑھاپے میں آپ کے حافظہ میں کچھ کی آگئی تھی لیکن اختلاط تو کبھی بھی نہیں ہوا۔ ابواحسن بن قطان نے جو کہا کہ سہیل اور ہشام کو اختلاط اور حافظہ کا تغیر لاحق ہو گیا تھا، تو یہ بات غیر معترض اور لائق اعتقاد نہیں ہے۔ ہاں !قلیل ساتغیر ہوا اور حافظ اس طرح نہ رہا جس طرح جوانی کے عالم میں ہوتا ہے، پس وہ بعض باتیں بھول گئے یا ان کے بارے میں وہم ہوا تو اس سے کیا ہوا! کیا وہ نسیان سے مقصوم ہے (وہ کیا کوئی بھی مقصوم نہیں) جب آخری عمر میں ہشام عراق پلے گئے تو ہاں انہوں نے کثرت سے علمِ حدیث بیان کیا، اس اثناء میں انہوں نے بہت تھوڑی احادیث کو زیادہ عمدگی سے بیان نہ کیا، اور اس قسم کی بھول چوک تو امام مالک[ؓ]، امام شعبہ[ؓ] اور امام دکن[ؓ] جیسے کبار ثقہ راویوں سے بھی واقع ہوئی ہے۔ پس (اے مفترض) تو اپنے خطپی پن کو چھوڑ اور حدیث کے ثقہ و ثبت اماموں کو ضعیف اور مخلط راویوں کے ساتھ ملانا چھوڑ دے، ہشام بن عروہ شیخ الاسلام ہیں۔ اے ابن القطان! ہم نے جو تیرے قول کی سختی سے تردید کی ہے اسے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے نیکی بنادے، اسی طرح عبد الرحمن بن خراش کا یہ قول ہے کہ: امام مالک[ؓ] امام ہشام کو پسند نہ کرتے تھے اور انکی عراق میں بیان کردہ احادیث کی وجہ سے اعتراض کرتے تھے، (یعنی ابن القطان کے قول کی طرح یہ قول بھی غیر معترض ہے)۔“

(میزان الاعتدال: 4/301, 302)

لکنی عمدگی کے ساتھ امام ذہبی[ؓ] نے اختلاط کی تہمت سے امام ہشام[ؓ] کی بریت واضح کی

ہے کہ یاد کردہ احادیث میں سے کسی حدیث میں کچھ بھول چوک کا واقع ہونا انسانی تقاضہ کے عین مطابق ہے اس سے کوئی بھی بچا ہوانہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف اسی بناء پر ہشامؓ کی روایت کردہ احادیث کو رد کر دیا جائے۔ بڑے سے بڑا ثقہ راوی جیسے امام مالکؓ و شعبہؓ اور امام وکیج جیسے کبار ثقہ راوی بھی ایسی بھول چوک اور غلطی سے محفوظ نہیں ہیں، لیکن کوئی حدیث یا حدیث کا بعض حصہ بھول جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے کذاب، وضاع یا خلط قرار دیا جائے۔ امام ذہنیؓ اپنی مشہور کتاب ”سیر أعلام المذاهب“ میں لکھتے ہیں:

((وَمَا ثُمَّ بِمَعْصُومٍ مِّنِ السَّهْوِ وَالنَّسِيَانِ وَمَا هَذَا التَّغْيِيرُ بِضَارٍ
أَصْلًا ، وَإِنَّمَا الَّذِي يَضُرُّ الْخُتْلَاطَ ، وَهَشَامٌ فَلَمْ يَخُتْلَطْ قَطَّ
هَذَا أَمْرٌ مَّقْطُوْعٌ بِهِ ، وَحَدِيْثٌ مَّحْتَاجٌ بِهِ فِي ”الْمَؤْطَا“
وَالصَّاحِحُ ، وَالسَّنْدُ ، فَقُولُّ ابْنِ الْقَطَانِ: ”أَنَّهُ خُتْلَاطٌ“ قَوْلٌ
مَرْدُودٌ ، مَرْذُولٌ))

لیعنی کون ہے ایسا جو بھول چوک سے معصوم ہو! اور یہ تغیر (یعنی سن رسیدگی کی بنا پر کچھ بھول واقع ہونا) قطعاً روایت حدیث میں مضر نہیں ہے، جو چیز مضر ہے وہ تو اختلاط ہے اور امام ہشامؓ کو کبھی بھی اختلاط نہیں ہوا یہ بات قطعی اور یقینی ہے۔ ہشامؓ کی بیان کردہ احادیث کو مؤطا امام مالک، صحاح اور سنن میں بطور جدت بیان کیا گیا ہے۔ ابن القطان کا یہ قول کہ ہشام کو اختلاط ہو گیا تھا، ایک مردود اور قطع قول ہے۔

(سیر أعلام المذاهب: 6/36۔ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت)

امام ابن حجرؓ نے ابو الحسن ابن القطان کے قول کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:
(لِمْ نَرَهُ فِي ذَالِكَ سَلْفًا))
”لیعنی اس قول میں ان کا کوئی پیش رو نہیں ہے“

(تہذیب التہذیب: 11/57)

جس قسم کے نیان کی طرف امام ذہبی نے اشارہ فرمایا ہے اس سے یقیناً کوئی بھی بچا ہوا نہیں ہے حتیٰ کہ اس قسم کی بھول تو بعض صحابہ کرامؐ کو بھی لاحق ہوئی ہے مثلاً! یزید بن حیانؓ فرماتے ہیں کہ:

((انطلقتُ أنا وحسين بن سبرة وعمر بن مسلم إلى زيد بن أرقم فلما جلسنا إليه قال له حسين لقد لقيت يا زيد خيراً كثيراً رأيت رسول الله ﷺ وسمعت حديثه وغزوت معه وصليت خلفه لقد لقيت يا زيد خيراً كثيراً حدثنا يا زيد ما سمعت من رسول الله ﷺ قال يا ابن أخي والله لقد كبرت سنى وقدم عهدي ونسيئت بعض الذى كنت أعى من رسول الله ﷺ فما حدثكم فاقبلوه وما لا فلا تكلفونيه الخ))

”میں، حسین بن سبرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ جب ہم بیٹھ گئے تو حسین بن سبرہ نے کہا: اے زید! آپ نے خیر کثیر پائی ہے، آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپؐ کی احادیث سنیں، آپؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور آپؐ کی افتداء میں نمازیں ادا کیں، پس ہمیں وہ احادیث سنائیے جو آپؐ نے رسول اللہ ﷺ سے سنبھالیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اللہ کی قسم میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں، میرا دور گزر چکا ہے اور جو باتیں میں نے آپ ﷺ سے سن کر یاد کر کھی تھیں، ان میں سے بعض حدیثیں بھول چکا ہوں۔ پس جو احادیث میں بیان کروں انہیں قبول کر لینا اور جو نہ سناوں ان کے بارے میں مجھے مجبور نہ کرنا۔“

(صحیح مسلم: 279 رقم الحدیث: ۳۳۲۵۔ مسند احمد، حدیث: ۱۸۳۶۳)

اب کیا کہا جائے کہ سیدنا زید بن ارقم (معاذ اللہ) سٹھیا گئے تھے؟ اور ان کی بیان کردہ تمام احادیث کونا قابل اعتبار کہہ کر مٹھکرا دیا جائے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سن رسیدہ ہونے کی بنا پر بعض احادیث یا احادیث کا بعض حصہ بھول جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس راوی کو خلط یا "سٹھیا ہوا" قرار دیا جائے، بلکہ اس کی بیان کردہ احادیث کو قبول کر لینا چاہیے۔ جیسا کہ سیدنا زید بن ارقم نے فرمایا کہ "جو احادیث میں تمہارے سامنے بیان کروں انہیں قبول کر لینا۔" کیونکہ جو احادیث انہوں نے بیان کیں وہ یقیناً ایسی احادیث تھیں جو انہوں نے خوب یاد کر رکھی تھیں۔ بالخصوص حدیثِ سحر کے بارے میں تو ہشام بن عروہ کا بیان امام لیث بن سعد مصری ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں:

((كتب إلى هشام انه سمعه و وعاه عن أبيه عن عائشة الخ))
یعنی ہشامؓ نے مجھے لکھ بھیجا کہ انہوں اس حدیث عائشہؓ کو اپنے باپ سے سنا ہے اور خوب یاد رکھا ہے، (صحیح بخاری: 1/462)

لہذا اس حدیث پر سے ہشامؓ کے نیاں اور بھول کا الزام بھی خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ امام ذہبیؓ اور امام لیثؓ کی بھرپور شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حدیث سحر بلا غبار صحیح اور ثابت ہے۔ نیز امام ہشامؓ کو تو "حجۃ امام، شیخ الاسلام" اور "احد الاعلام" کہا گیا ہے مگر حافظہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہؓ جیسے مجتهد پر بھی جرح موجود ہے، پھر کیا امام صاحب کی روایت کردہ احادیث کو رد کر دیا جائے گا؟۔ امام ذہبیؓ فرماتے ہیں:

((ضعف النساء من جهة حفظه و ابن عدى وآخرون))
یعنی امام ابوحنیفہؓ کو حافظہ کی خرابی کی وجہ سے امام نسائی، امام ابن عدیؓ اور دیگر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(میزان: 4/265)

باتی رہا مفترض کا یہ کہنا کہ: حافظ عقیلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے اخ - تو اس کا جواب

یہ ہے کہ امام عقیلؑ کی طرف اس قول کی نسبت غلط ہے، براہ کرم ہمیں بتایا جائے کہ امام عقیلؑ نے یہ قول کہاں ”تحریر کیا ہے“؟

غالب گمان یہی ہے کہ معارض نے یہ قول کا ندھوی صاحب کی ”ذہبی داستانیں“ سے نقل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ معارض نے اس قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا کیونکہ کا ندھوی صاحب بھی اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے۔ امام ذہبیؓ کی میزان الاعتدال یا ابن حجرؓ کی تہذیب ”التهذیب یا تقریب التہذیب“ میں تو اس کا نام و نشان نہیں ملتا، امام عقیلؑ کی اپنی کتاب ”الضعفاء“ میں بھی یہ قول نہیں پایا جاتا۔ اب کا ندھوی صاحب کے متولین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ امام عقیلؑ کا یہ قول با حوالہ پیش کریں ورنہ علم حدیث کے سند ریں کاغذی کشتیاں چھوڑنے سے پہیز فرمائیں۔

امام ہشامؓ کو مختلط ثابت کرنے کی داستان

بعض الناس نے امام ہشام بن عروہؓ کو مختلط ثابت کرنے کیلئے باقاعدہ ایک کہانی بھی گھر رکھی ہے۔ کہانی کے مضمون کے علاوہ، انداز والفاظ بھی اس قدر رکھیا اور پر تحقیر استعمال کیے گئے ہیں جو ایک جلیل القدر تابعی اور محدث کی شایان شان تو کجا، ایک عام حریص اور لاپچی انسان کیلئے استعمال کرنا بھی اخلاق و تہذیب کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔ لکھتے ہیں:

”جب انہوں (یعنی ہشامؓ) نے ۱۳۱ھ میں اپنی بیٹی کی شادی پر ایک لاکھ درہم اس امید پر قرض لے کر خرچ کرڈا لے کہ خلیفہ وقت سے مدد لے لوں گا اور قرض اتار دوں گا لیکن یہ بد قسمی ہشام کی کہ بنو امیہ کی حکومت تبدیل ہو گئی اور بنو عباسیہ بر سر اقتدار آگئے۔ یہ صاحب اب بقداد تشریف لائے تاکہ خلیفہ منصور سے امداد طلب کروں۔ جب انہوں نے خلیفہ سے دست سوال دراز کیا تو خلیفہ نے ان کو اولاد ملامت کرنا شروع کر دیا کہ کس احمد نے تم کو اتنا خرچ کرنے کا

مشورہ دیا تھا۔ خلیفہ کنجوس تھا اور یہ صاحب بھی پھر تھے چھوڑنے والے نہ تھے آخر خلیفہ نے دس ہزار درہم دے کر رٹخا دیا۔ یہاں سے ہشام کو پہلا دماغی جھٹکا لگا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے روایات میں بہکنا شروع کر دیا، انہی بلفظہ منکرین کی پیش کردہ یہ کہانی خود ساختہ اور من گھڑت ہے، البتہ خطیب بغدادیؒ نے ہشامؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے مگر واقعہ بھی سند ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ درج بالا قصے سے جدا ہے۔ اس قصے کے مطابق امام ہشامؓ نے خلیفہ ابو عفر منصور کو بیٹی کی شادی پر ایک لاکھ درم خرچ کرنے کی بات نہیں کی تھی بلکہ فرمایا:

((يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ شَبَّ فِتْيَانًا فَاحْبَبْتُ أَنْ أُبُوَءَ هُمْ))
یعنی ہمارے لڑکوں میں بعض جوان ہو گئے اور میں نے چاہا کہ انکو ٹھکانہ بنادوں۔“

(تاریخ بغداد: 14/40۔ سیر اعلام العباد للدہبی: 6/45)

نیز خلیفہ نے قطعاً امام ہشام کو ملامت وغیرہ نہیں کی اور نہ ہی انہیں یہ کہا کہ: ”کس احمد نے تمہیں اتنا خرچ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔“ یہ اضافہ صرف امام ہشام کی بے تو قیری ثابت کرنے کیلئے کیا گیا ہے۔

نیز خلیفہ کا جواب سن کرنے تو ہشامؓ کو دماغی جھٹکا لگا اور نہ ہی انہوں نے بہکنا شروع کر دیا بلکہ پوری بشاشت قلبی اور بصیرت کے ساتھ خلیفہ کو کہا:

”اے امیر المؤمنین! آپ جو کچھ بھی دیں، اپنی دلی رضامندی کے ساتھ دیں کیونکہ میں نے اپنے باپ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سن رکھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی کو دلی رضامندی کے ساتھ کچھ عطیہ دیا تو دینے اور لینے والے دونوں کو برکت سے نواز جائے گا۔“ (ایضاً)

یہ تو ہے اس قصے کا متن، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا قصہ خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت ہے کیونکہ اس قصے کا راوی عمر بن علی المقدی ہے جو ملس ہے اور ”عن“ کے ساتھ روایت کر رہا

ہے۔ امام احمد، مسیحی بن معین، امام ابو حامیم، امام ساجیٰ اور ابو زید عمر بن شہبہؓ نے اسے مل کھا ہے۔ اسی طرح امام ابن سعدؓ فرماتے ہیں:

((کان یدلس تدلیساً شدیداً یقول: "سمعتُ" و "حدثنا" ثم
یسكت فیقول: هشام بن عروة))

یعنی یہ شدید قسم کی تدليس کرتا تھا۔ "سمعتُ" اور "حدثنا" کے الفاظ کہنے کے بعد
کچھ دیر خاموش رہتا تھا پھر کہتا تھا "ہشام بن عروة۔"

(تہذیب التہذیب: 6/92۔ میزان: 3/214۔ الجرح والتعديل: 6/157۔ تبیین الاسماء والسمیں: 1/45)

مطبوعہ دارالكتب العلمیہ بیروت۔ دیوان الصفقاء والترکیب اللذہی: 2/192)

یعنی تدليس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دوہرا دھوکہ بھی دیتا تھا، "سمعتُ" وغیرہ کے الفاظ کسی اور راوی کیلئے استعمال کرتا تھا مگر نام کسی اور کا استعمال کرتا تھا۔ مگر اس قصے میں تو وہ "عن" کے ساتھ روایت کر رہا ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ اس نے کسی غیر شفہ آدمی کی قصہ کو گوئی کو امام ہشامؓ کے ذمے لگادیا ہے۔ لہذا اب منکرین کے ذمہ یہ قرض ہے کہ وہ اس قصے کو صحیح ثابت کریں ورنہ اس قسم کی بے بنیاد باتوں سے محمد بن حمیم اللہ پر رکیک حملے کرنے سے بازا آجائیں۔

منکرین کے "سٹھیا جانے" کا ایک اور واقعہ

بعض الناس نے امام ہشامؓ کے "سٹھیا جانے" کا ایک عجیب و غریب واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"ابن حجر نے خود ہشام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہشام کہتا ہے میری بیوی مجھ سے تیرہ سال بڑی تھی۔ اس قول کو ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں کہ فاطمہ بنت منذر اپنے شوہر ہشام کے بقول ہشام سے تیرہ سال بڑی تھیں۔ اب یہی ہشام کہتا ہے کہ

میری بیوی فاطمہ کی عمر نو سال تھی جب میں نے اس سے شادی کی۔۔۔ معلوم ہوا
ہشام نے اپنی بیوی فاطمہ سے جب شادی کی تو ابھی ان کو ماں کے پیٹ سے
متولد ہونے میں چار سال باقی تھے۔ پیدا ہونے سے چار سال پہلے شادی کر لینا
یا ایسی کرامت ہے جو ہشام کے حصے میں آئی ہے۔ ہم تو کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ
یہ بخاری مسلم کے جو راوی ہوئے بھلا ان پر تقدیم کون کر سکتا ہے، انتہی بلفظ۔

یہ قصد دو وجوہ سے مردود و مخدول ہے:

اولاً:۔۔۔ اول تو یہی جھوٹ ہے کہ ہشام نے ”خود“ کہا ہے کہ انکی بیوی ان سے تیرہ
سال بڑی تھی۔ ابن حجر ہوی یا امام ذہبی، کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ ہشام نے ”خود“ یہ الفاظ
کہے ہیں کیونکہ ہشام سے یہ الفاظ کہیں بھی ثابت نہیں ہیں۔ ابن حجر نے تو ہشام کے یہ الفاظ
نقل کیے ہیں:

((يقول يحدث ابن اسحاق عن امرأةٍ فاطمة بنت المنذر ، والله ان رآها فقط))

یعنی ہشام نے کہا کہ محمد بن اسحاق میری بیوی سے احادیث بیان کرتا ہے
، حالانکہ اللہ کی قسم! اس نے کبھی میری بیوی کو نہیں دیکھا۔“

(تہذیب العہد یہ: 7/36 مطبوعہ دار الفکر)

جو الفاظ مکرین نے ہشام کے ذمے لگائے ہیں، وہ الفاظ امام ذہبی کے ہیں اور حافظ
ابن حجر نے بھی ذہبی کے حوالے سے ہی نقل کیے ہیں۔

(میزان الاعتدال: 3/471 - تہذیب: 7/41)

ثانیاً:۔۔۔ ہشام کی طرف منسوب اس قول (کہ میری بیوی فاطمہ کی عمر نو سال تھی جب
میں نے اس سے شادی کی) کو امام ذہبی نے کسی راوی کی غلطی اور خطأ قرار دیا ہے، وہ لکھتے
ہیں۔۔۔

((ثم ما قبل من أنها أدخلت عليه وهي بنت تسع غلطًا ينْ
، ما ادري ممن وقع من رواة الحكاية ، فإنها أكبر من هشام
بثلاث عشرة سنة والحكاية فقد رواها عن أبي قلابة أبو
بشر الدوابي ، ومحمد بن جعفر بن يزيد))

”یعنی یہ جو کہا گیا ہے کہ هشام کی بیوی ان کے پاس نوسال کی عمر میں بھی گئی
تھی ، بالکل غلط بات ہے ، میں نہیں جانتا کہ اس حکایت کے راویوں میں سے کس
راوی سے یہ غلطی واقع ہوئی ہے۔ هشام کی بیوی تو ان سے تیرہ سال بڑی
تھی۔ یہ (نوسال والی) حکایت ابو قلابة سے ابو بشر دولابی اور محمد بن جعفر بن یزید
نے روایت کی ہے۔“

(میزان الاعتدال: 3/ 471)

یعنی امام ذہبی نے اسے ”ہشام کے سُمْحَانَةِ جَانَةِ كَأَعْجَبِ وَغَرِيبِ وَاقْعَدِ“ نہیں سمجھا بلکہ
ان الفاظ کو راویوں کی غلطی قرار دیا ہے ، مگر ہمارے مہربانوں کو ہر وقت سُمْحَانَةِ کی طرف ہی
دھیان رہتا ہے۔ اس حکایت کے راویوں میں سے محمد بن جعفر تو ویسے ہی مجھول آدمی ہے
اور ابو بشر دولابی کو بھی ضعیف کہا گیا ہے۔ اس کا پورا نام محمد بن احمد بن حماد ہے ، یہ ذات
شریف اہل رائے میں سے ہیں اور متعصب خلقی ہیں۔ تعصُّب میں اس قدر ترقی یافتہ ہیں کہ
اپنے مسلک کی تائید میں روایات کی سندوں میں گڑبوکرنے سے بھی نہیں شرمتے تھے۔ امام
ابن عدی نے اسے جھوٹ سے متهم کیا ہے اور امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ مدین نے اس میں
کلام کیا ہے (تکمیل فیہ) اور ابن یونس نے کہا کہ اس کی تفعیف کی جاتی تھی۔

(لسان المیز ان، فی ترجمۃ محمد بن احمد بن حماد۔ دیوان الفرعاء والمحتر وکین للذہبی: 2/ 277، رقم: 3566)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((عَابَ عَلَيْهِ أَبْنَ عَدْيٍ تَعَصُّبَهُ الْمُفْرَطُ لِمَذْهِبِهِ حَتَّى قَالَ فِي

الحادیث الذی رواه ابو حنیفة عن منصور بن زاذان عن الحسن عن معبد الجهنی عن النبی ﷺ فی القھقھة: معبد هذا هو ابن هوذة الذي ذكره البخاری فی تاریخہ قال ابن عدی وهذا الذي قاله غير صحيح وذاك أن معبد بن هوذة انصاری فكيف جهیناً ومعبد الجهنی معروف لیس بصحابی وما حمل الدولابی علیٰ ذالک الا میله لمذهبہ))

”یعنی امام ابن عدی“ نے اس پر اپنے مذہب کیلئے انتہائی متعصب ہونے کا عیب لگایا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اسی مذہبی تعصب میں آکر ابوحنیفہؓ کی روایت کردہ منقطع حدیث کو متصل ثابت کرنے کیلئے معبد جھنی کو معبد ابن هوذة انصاری بنادیا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ معبد بن هوذة انصاری، جھنی ہو؟ معبد جھنی معروف اور جانا پہچانا راوی ہے، وہ صحابی نہیں ہے۔ ابو بشر دولابی کو اس تبدیلی پر صرف اس کے مذہبی میلان نے ابھارا ہے۔“

(سان الٹیر ان۔ باب من اسمہ محمد، فی ترجمۃ محمد بن احمد بن حماد)

جو شخص اپنے مذہب میں اس قدر غالی متعصب ہو، اس سے بعد نہیں ہے کہ وہ محمد ابن اسحاقؓ (فاتحہ خلف الامام کے ایک راوی) کو کذاب ثابت کرنے کیلئے ہشام بن عروہؓ کی بیوی کو نوسال کی بنادے۔ بہر حال اب یہ حکایت صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی (ہشامؓ) کی ”کرامت“ تو بن نہیں سکتی، البتہ صحیح بخاری و مسلم پر بے جا اعتراض کرنے والے متعصبين کی ”کرامت“ ضرور کھلائی جاسکتی ہے کہ اس قدر تھی دامنی اور علمی ناتوانی کے باوجود وہ پوری امت کو گمراہ قرار دینے پر شکلے ہوئے ہیں۔

نوت: مذکرین نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ کوفہ جانے سے قبل امام ہشامؓ کی بیان کردہ احادیث بلا غبار صحیح ہیں، ان کی روایات میں جو بھی کمزوری آئی ہے، کوفہ جانے کے

بعد آئی ہے۔ اگر بالفرض حقیقت یہی ہو تو پھر منکرین کو دوبارہ ذہن میں رکھ لینا چاہیے کہ جن مدنی، مصری و مکنی تلامذہ (ایش بن سعد، سفیان بن عینہ، انس بن عیاض، تیجی بن سعید انصاری) نے امام ہشام سے حدیث سحر روایت کی ہے اس کا تعلق کوفہ جانے سے قبل کے زمانے سے ہے۔ کیونکہ کوفہ جانے کے بعد ہشام سے جن لوگوں نے روایات لی ہیں ان میں راویان حدیث سحر کا شمار نہیں ہوتا۔

امام حافظ ابن حجر، امام الحافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی رحمہ اللہ (متوفی: ۲۵۳ھ) اور خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

((سمع منه بآخره وكيع وابن نمير ومحاضر))
”یعنی ہشام سے آخر میں وکیع، ابن نمیر اور محاضر نے احادیث سنی ہیں۔“

(تہذیب التہذیب: 9/57۔ تہذیب الکمال: 30/239۔ تاریخ بغداد: ذکرمن اسنہ ہشام)

امام ابن خلکان لکھتے ہیں:

((وقدم الكوفة أيام أبي جعفر المنصور فسمع منه الكوفيون))
”یعنی امام ہشام، ابو جعفر منصور کے دور خلافت میں کوفہ تشریف لائے، پس ان سے کوفیوں نے احادیث سنیں۔“

(وفیات لا عیان وابقاء ابناء الزمان: 6/80 تحقیق احسان عباس، مطبوعہ دار صادر بیروت)

جبکہ حدیث سحر بیان کرنے والوں میں مکنی، مدنی، مصری رواۃ بھی شامل ہیں۔

راویوں کا کوفی ہونا

کسی راوی کا محض کوفی یا عراقی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے لیے ہرگز منزہ نہیں ہے مگر جدید منکرین حدیث کے نزدیک یہ بھی ایک بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ کوفہ بعض اہل علم صحابہ کرامؐ کی جائے سکونت بھی ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ پہلے مدینہ میں رہتے

تھے وفات النبی ﷺ کے بعد آپ نے کوفہ میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ خلیفہ راشد سیدنا علیؑ نے تو دارالخلافت بھی کوفہ کو بنایا تھا، اور تو اور جملہ خنیٰ حضرات کے مذہب کا خیر بھی کوفہ کی سر زمین سے ہی اٹھا ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسفؓ اور امام محمد رحمہم اللہ سب کے سب کوفی و عراقی ہیں۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ انکا رحدیث کا پودا کوفہ میں ہی لگایا گیا تھا تو بے جانہ ہو گا کیونکہ بعض صحابہؓ (جیسے ابو ہریرہ، انسؓ، سلمان فارسیؓ، بلالؓ) کو ”قلیل الفقة“، قرار دینے، انکی مرویات پر قیاس کو ترجیح دینے اور اپنے خود ساختہ اصول کی مخالف احادیث کو رد کرنے والا طبقہ کوفہ کا ہی تربیت یافتہ ہے۔ آج بھی صحیح احادیث پر اعتراض کرنے والے وہی لوگ ہیں جو بنیادی طور پر کوفی مکتب کے فیض یافتہ ہیں۔

حدیث سحر کا انکار کرنے والے ایک صاحب لکھتے ہیں:

”اگر اس وجہ سے ہمیں مکنر حدیث کہا جاتا ہے تو یہ انکار ہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ہے۔“

مگر حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؓ نے تو حدیث سحر کو خلاف قرآن کہا ہے اور نہ ہی ان سے اس حدیث کا انکار ثابت ہے۔

بہر حال کسی شہر میں بعض ناپسندیدہ افراد کی رہائش سے تمام اہل شہر کو بے دین قرار دینا حد درجہ کی حماقت اور بے انصافی ہے۔ قرآن مقدس میں بعض اہل مدینہ کی مذمت میں کہا گیا:

﴿وَمِنْ أهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ﴾ (توبہ: 9/101)

”اور مدینہ میں رہنے والے لوگوں میں سے بعض اڑے ہوئے ہیں منافق پر۔“

کیا یہاں بھی جدید مکنرین کے خود ساختہ یہودہ اصول کے مطابق تمام اہل مدینہ کو غیر معتبر قرار دیا جائے گا؟

حدیث سحر کے روایہ

جن انہمہ حدیث کو کوفہ کارہائی اور حدیث سحر کاراوی ہونے کی وجہ سے ”یہودی ایجٹ“

کہا گیا ہے، ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

حماد بن اسامہ:

امام ذہبی لکھتے ہیں:

((الحافظ الكوفى أحد الأثبات سمع من هشام بن عروة ومن طبقته))

”یعنی وہ کوفہ کے رہنے والے حافظ الحدیث اور ثقہ و ثبت تھے۔ انہوں نے امام هشام بن عروہ اور ان کے طبقہ کے روایہ سے احادیث کا سماع کیا۔“

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

((ثقة من اعلم الناس بامر الناس وأخبارهم بالكوفة))
یعنی وہ ثقہ ہیں اور وہ کوفہ میں سب سے زیادہ لوگوں کے معاملات اور احادیث کا علم رکھنے والے تھے۔“ (میزان الاعتزاز: 1/588)
عیسیٰ بن یونس:

اُنکے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں:

((عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی فمن ائمه
الاسلام من طبقة وكيع))

یعنی عیسیٰ بن یونس اسلام کے اماموں میں سے ہیں اور امام وکیع کے طبقہ میں
سے ہیں۔“ (میزان: 3/328)

عبداللہ بن نعیر:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

((ثقة، صاحب حدیث، من أهل السنة))

”یعنی یا اہل السنۃ کے ثقہ محدث ہیں۔“ (تقریب: 1/457)

محمد الحرم الگی سفیان بن عینہ:

ان کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں:

((احد الثقات الأعلام اجمعـت الأمة عـلـى الـاحـتجـاج بـه))
”یعنی یہ رئیس الثقات لوگوں میں سے ہیں۔ ان کی روایت کردہ حدیث سے
جحت پکڑنے پر پوری امت کا اجماع ہے۔“ (میزان: 2/170)

لیث بن سعد:

انکے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں:

((احد الأعلام والأئمة الأثبات ثقة حجة بلا نزاع))
”یعنی بالاتفاق یہ محدثین کے سرداروں اور ثقہ و ثبت اماموں میں سے ہیں۔“

(میزان: 3/423)

یحییٰ بن سعید: یہ انصاری مدینی تابعی ہیں۔ ”(الیضا) اور امام مالک“ کے اساندہ میں سے ہیں۔ ہمیں بتایا جائے کہ ان ائمہ اسلام میں سے کس امام نے یہودی سازش کی تجسسی کی ہے؟۔ اگر امت مسلمہ کے ایسے امام جن کی ثقافت وعدالت پر پوری امت کا اتفاق ہے، بھی یہودیوں کے آله کا قرار دیے جائیں تو پھر نہ ہب اسلام کے مذہبی و علمی ورثہ کے مستند اور ثقہ ہونے کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ جب پوری امت (نحوذ باللہ) یہودیوں کے آله کاروں کو ثقہ و جحت قرار دیکر انہیں اپنا علمی پیشوامان چکی ہے تو پھر نہ ہب اسلام سارے کا سارا مشکوک اور باطل تھہرے گا اور ”اجماع امت“ ایک گپ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ یعنی حدیث سحر کو ”یہودی سازش“، قرار دینے کا مطلب ہوگا کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کا تمام ذخیرہ یہود کے ایجنٹوں کا تیار کردہ ہے۔ آخر یہ کس قسم کے یہودی ”ایجنت“ ہیں جن کی ثقافت وعدالت کی شہادت پوری امت دے رہی ہے؟۔

درحقیقت حدیث سحر (متفق علیہ) کو یہودی سازش کہنے والے بذات خود یہودی

سازش کے ایجنٹوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

حدیث سحر کے تمام راوی کوئی نہیں ہیں

بعض الناس نے احادیث سحر پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ:

”ہشام[ؓ] میں عراق چلا گیا تھا اس وقت اسکی عمر اکہتر (71) سال تھی۔ اکہتر سالہ مدنی زندگی میں اس سے کسی مدنی یا کمی یا مصری یا شامی نے ان روایات کو نقل نہیں کیا۔ اب ہشام نے اپنی جوانی اور اکہتر سال مدینہ میں گزارے لیکن جادو والی روایات کے خزانے کو اپنے ان ہونہارشاً گروں سے چھپائے رکھا اور ان کو انکی خبر تک نہ ہونے دی کہ جادو علی الٰبی والی روایات میرے پاس ہیں۔ جب عراق گئے اور دماغی جھکلے لگے تو اب پنڈورا بکس عراقیوں کے لیے کھول دیا۔“

درحقیقت یہ ساری ”تحقیق“ کاندھلوی صاحب کی ”ذہبی داستائیں“ سے سرقة شدہ ہے ورنہ اس قدر خلاف حقیقت ”تحقیق“ کو بنیاد بنا کر صحیحین کی احادیث پر حملہ نہ کیا جاتا۔ ابھی لکھا جا چکا ہے کہ احادیث سحر کو امام ہشام[ؓ] سے ان کے مدنی، کمی، مصری سب تلامذہ نے روایت کیا ہے لہذا یہ بات قطعاً بے بنیاد ہے کہ ہشام[ؓ] سے حدیث سحر روایت کرنے والے صرف عراقي ہیں۔ معلوم ہوتا ہے معتبرین نے صحیحین کا پورا مطالعہ کیے بغیر اعتراض جڑ دیا ہے ورنہ خود صحیح بخاری کی کتاب الدعوات میں موجود حدیث سحر کی سند میں انس بن عیاض بھی ہیں جو مدنی ہیں اور اُنکے بھی ہیں۔

(صحیح بخاری: 2/945)

حافظ ابن حجر^{رحمۃ اللہ علیہ} لکھتے ہیں:

((انس بن عیاض بن ضمرة او عبد الرحمن بن الليثي ابو ضمرة

المدنی ثقة من الثامنة))

”يعنى ابو ضمرة انس بن عياض مدنى اور ثقة ہیں۔“

(تقریب التہذیب: 1/52)

اسی طرح صحیح بخاری کتاب الطب میں موجود حدیث سحر کے بارے میں خود امام بخاری فرماتے ہیں:

((تابعه ابواسامة وابو ضمرة وابن ابی الزناد عن هشام وقال

اللیث وابن عینة عن هشام فی مشط ومشاقه))

”يعنى هشام“ سے عیسیٰ بن یونس نے ”مشط و مشاقه“ کے الفاظ نقل کیے ہیں، اور یہ الفاظ نقل کرنے میں عیسیٰ بن یونس کی متابعت ابواسامة (حمد بن اسامہ کوفی)، ابو ضمرة (انس بن عیاض مدنی) اور عبد الرحمن ابن ابی الزناد مدنی نے کی ہے۔ اور لیث بن سعد (الامام المصری) و سفیان بن عینہ (کوفی ثم کمی) نے هشام سے ”مشط و مشاقه“ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔“

(صحیح بخاری: 2/858)

امام سفیان بن عینہ 63ھ میں مکہ منتقل ہو گئے تھے۔

(تہذیب التہذیب: 4/122)

ثابت ہوا کہ هشام سے انکے مدنی، کمی اور مصری شاگردوں نے بھی حدیث سحر کو روایت کیا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ”ہشام نے اکہتر سالہ مدنی دور میں اپنے ان ”ہونہار“ (مدنی، کمی، مصری) شاگردوں سے جادو علی النبي کی حدیث کو چھپائے رکھا“، بالکل غلط اور بے سروپا بات ہے۔

نو سالہ رخصتی کی حدیث کے راوی

بعض الناس نے حدیث سحر کو مزید مشکوک بنانے کیلئے لکھا ہے کہ:

”ہشام جب عراق گئے اور دماغی جھٹکے لگے تو اب پنڈورا بکس عراقوں کیلئے کھول دیا اور امام المؤمنین (عائشہؓ) کو انہیں سال سے نوسال کی بنا کر ہاتھ میں گڑیاں پٹوں لے تھیا دیے اور نبی علیہ السلام پر سحر کا اثر ثابت کر کے آپ کو وہی بنادیا،“
انتہیٰ بلفظہ

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ کی نوسال میں رخصتی والی حدیث بھی ہشامؓ کے اختلاط کے بعد کی ہے جب وہ عراق پلے گئے تھے، اس کے راوی اسی طرح عراقی ہیں جس طرح حدیث سحر کے راوی عراقی ہیں۔ حقیقت تو جو ہے سو ہے مگر ایک جلیل القدر محدث کے بارے میں یہ انداز اور طرزِ تکلم انتہائی نازیبا ہے۔ بہر حال مذکورین کا یہ اعتراض چار وجہ سے باطل ہے:

اوّلًا:..... پہلی وجہ تو یہ ہے کہ امام ہشامؓ کونہ تو ”دماغی جھٹکے“ لگے تھے اور نہ ہی آپ کبھی اختلاط کا شکار ہوئے ہیں کما مر آنفا۔

ثانیاً:..... جس حدیث کو ”پنڈورا بکس“ کہہ کر ٹھکرایا گیا ہے اسے امام ہشامؓ سے صرف عراقی راویوں نے ہی بیان نہیں کیا بلکہ مدنی شاگردوں نے بھی بیان کیا ہے۔

ثالثاً:..... تیری بات یہ ہے کہ عروہ بن زبیر سے روایت کرنے میں امام ہشامؓ متفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر روواۃ نے انکی متابعت کر کھی ہے۔

رابعاً:..... چوتھی بات یہ ہے کہ اس حدیث کو امام المؤمنین عائشہؓ سے فقط عروہ بن زبیر نے ہی روایت نہیں کیا بلکہ دیگر روواۃ نے انکی متابعت کی ہے۔

امام ہشامؓ کے خلط نہ ہونے کے بارے میں پہلے واضح کیا جا چکا ہے، جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ: ہشامؓ نے نوسال میں رخصتی والی حدیث صرف اہل عراق کے سامنے بیان کی، تو یہ اعتراض اسلیے غلط ہے کہ امام ہشامؓ سے یہی حدیث ان کے مدنی شاگرد عبد الرحمن ابن ابی الزناد نے بھی روایت کی ہے۔

(مند احمد: رقم الحدیث 24346)

نیز یہی حدیث امام ہشامؓ کے مکی شاگرد امام سفیان بن عینہؓ نے بھی بیان کی ہے۔

(مند الامام الشافعی، مطبوعہ بیروت: ص 275)

اسی طرح امام یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقد وصله سفیان الثوری وسفیان بن عینہ الخ))

”یعنی اس حدیث کو سفیان ثوریؓ اور سفیان بن عینہؓ نے موصولاً روایت کیا ہے۔“ (اسنن الکبریٰ: باب ماجاء فی انکاہ الآباء البار: 7/184)

تیسرا حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث امام ہشام کا ”پنڈورا بکس“ نہیں بلکہ عروہ بن زیر سے یہی حدیث ہشامؓ کے علاوہ امام زہریؓ نے بھی روایت کی ہے اور ”کھلنوں“ والی بات امام زہریؓ کی روایت میں بھی ہے۔

(صحیح مسلم: 1/456۔ مجمع الکبیر للطبرانی: 23/20)

نیز گڑبوں کے ساتھ کھلینے والی بات عروہؓ بن زیر سے یزید بن رومانؓ مدینی نے بھی روایت کی ہے۔ (مجمع الکبیر للطبرانی: 23/178)

اور چوتھی حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث (نو سال میں خصتی) ام المؤمنین عائشہؓ سے فقط عروہؓ نے ہی روایت نہیں کی بلکہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے بیٹے ابو عبیدہ، اسود بن یزید، ابو سلمۃ بن عبد الرحمن، قاسم بن محمد، عبد الرحمن بن حاطب اور ابن ابی ملیکہ نے بھی روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: 1/456، سنن النسائی: 2/91، 76، اسنن الکبریٰ للیحییٰ: رقم الحدیث 13659۔ مجمع الکبیر للطبرانی: 23/20، 28، 24، 23، 22، 20۔ منداہن راہویہ: 3/650 مکتبۃ الایمان۔ مدینہ منورہ)

ان تمام حقائق کی موجودگی میں اس حدیث کو امام ہشامؓ کا ”پنڈورا بکس“ قرار دینا، اور اسے امام ہشامؓ کے موہوم اختلاط کی دلیل بنانا علم والنصاف سے بعید ہے۔

جس حدیث کو ہشامؓ کا ”پنڈورا بکس“ کہا گیا ہے، اس کے صحیح اور قابلِ احتجاج ہونے پر

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں:

((اجماع المسلمين على جواز تزویجه بنته البكر الصغيرة
لهذا الحديث))

”یعنی اس حدیث کی وجہ سے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ باپ کیلئے جائز ہے
کہ وہ اپنی کنواری چھوٹی لڑکی کا نکاح کر دے۔“

(شرح صحیح مسلم للنووی: 1/456)

مسلمانوں کا جس حدیث کے قابل احتجاج ہونے پر اجماع ہو، اسے تحیر بھرے انداز
میں ”پندورا بکس“ کہہ کر ٹھکراؤ نیا کتنا برا جرم ہے، اسے معترضین بھی جانتے ہوں گے۔

حدیث سحر کو یہودی سازش قرار دینے کی وجوہات اور انکار و
منکرین حدیث نے متفق علیہ حدیث کو ”یہودی سازش“ باور کرانے کے لیے نہایت
تعصب اور جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ عوام الناس کو احادیث رسول اللہ ﷺ سے منفر کرنے
کے لیے کافی عیاری و فناکاری سے ان کے جذبات سے کھینے کی کوشش کی گئی ہے۔ انکے
اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث سحر نے ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد رسول اللہ
ﷺ سے برتر کر دیا ہے۔“ اپنے اس بے بنیاد دعوے کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے چند وجوہ
لکھی ہیں ان کا نمبر وار جواب پیش خدمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”متعدد نامی گرامی جادوگر،“

منکرین پہلی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے
پورے ملک سے متعدد نامی گرامی جادوگر ڈھونڈ کر لائے گئے جبکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ
پر جادو کرنے کے لیے اکیلے لبید کو کافی سمجھا۔“

رد: گویا منکرین حدیث دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ

پر جادو کرنے والے بھی ”نامی گرامی“ اور کافی تعداد میں ہوتے تو اس حدیث پر اعتراض ختم ہوجاتا۔ یہ ان کی کچھ روی اور کچھ بحثی کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے، ان دشمنانِ دین و عقل نے یہ نہیں سوچا کہ اس طرح وہ خود قرآن مقدس کو مشکوک بنانے کی سعی ء نامراد کر رہے ہیں۔ ایسی ذہنیت رکھنے والے لوگ کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ”چونکہ مصر سے ہجرت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری قوم (بني اسرائیل) تھی جبکہ مکہ سے ہجرت کرتے وقت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف تھا ابو بکر صدیقؓ تھے، لہذا قرآن مقدس کی یہ آیات (معاذ اللہ) یہودیوں نے سازش سے قرآن مقدس میں داخل کر دی ہیں تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ سے برتر ثابت کیا جاسکے“، مگر، ع

ایں خیال است و محال است و جنون

یہ ”مددِ دین حضرات“ یہ تک نہیں جانتے کہ کسی واقعہ جزئیہ سے کلی فضیلت اور برتری ثابت نہیں ہوا کرتی۔

”جادوگروں کو شاہی کی نوید“:

دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ”مصری جادوگروں کو کامیابی کی صورت میں شاہی کی نوید سنائی گئی جبکہ ختنا حال لبید کے ساتھ صرف تین دینا پر سودا ہو گیا“۔

رد:..... منکریند حدیث، بعض حدیث میں اس قدر غالی ہو چکے ہیں کہ اپنا مطلب نکالنے کے لیے قرآن مقدس پر بھی جھوٹ باندھنے سے دربغ نہیں کرتے۔ قرآن مقدس میں کہیں نہیں ہے کہ ان جادوگروں کو ”شاہی“ کی نوید سنائی گئی تھی۔ ”شاہی“ کیلئے قرآن مقدس میں ”ملک“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جیسے:

﴿ قل اللهم مالك الملک تؤتی الملکَ مَنْ تشاء ﴾

”فرماد تھے! اے اللہ شاہی کا مالک، تو جسکو چاہتا ہے شاہی دے دیتا ہے۔“

﴿ وَاتَّاهُ اللَّهُ الْمُلْكُ وَالْحِكْمَةُ الْخُ ﴾ (251/2)

”اور وی اللہ نے داؤد علیہ السلام کو شاہی اور رانای۔“

﴿ رَبُّ قَدْ أَتَيْنَا مِنَ الْمُلْكِ الْخُ ﴾ (101/12)

”(یوسف علیہ السلام نے کہا) اے رب! تو نے دی مجھ کو شاہی۔“

﴿ وَاتَّبَعُوا مَا قَتَلُوا الشَّيَاطِينَ عَلَىٰ مُلْكَ سَلِيمَانَ ﴾

(102/2)

”اور انہوں نے پیر وی کی اس چیز کی جسے پڑھتے تھے شیاطین، سلیمان علیہ السلام کی شاہی کے وقت۔“

الغرض اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مقدس میں ”شاہی“ یا باادشاہت کیلئے لفظ ”ملک“ استعمال کیا گیا ہے مگر جدید منکرین حدیث قرآن میں بھی تحریف کرنے سے بازنہیں آئے۔ قرآن مقدس میں فرعون کی طرف سے جادوگروں کیلئے ”شاہی“ کی نوید نہیں سنائی گئی بلکہ یہ کہا گیا کہ:

﴿ قَالَ نَعَمْ وَأَنْكُمْ لِمَنِ الْمَقْرِبِينَ ﴾

(42/26)، (114/7)

”(فرعون نے) کہا ہاں اور تم بے شک مقرب ہو جاؤ گے۔“

یعنی تمہارا شمار مقرب درباریوں میں ہو گا۔ کوئی غلام چاہے جتنا بھی مقرب ہو وہ ”شاہی“ کا مالک نہیں بن جاتا، یہ محض منکرین حدیث کا فریب ہے جو اپنی عیاریوں سے درباریوں کو ”شاہی کی نوید“ سنارہے ہیں۔

قرآن مقدس میں ہے کہ:

﴿ أَمَا إِنْ كَانَ مِنَ الْمَقْرِبِينَ ☆ فَرُوحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّةٌ نَعِيمٌ ﴾

[88/56]

”(پس اگر وہ ہوا مقرب لوگوں میں سے تو (اس کیلئے) راحت ہے اور روزی ہے اور باغِ جنت کا)“

منکرین حدیث کے ترجیح کے مطابق تو یہ ساری نعمتیں ”شاہی“ والوں کو ہی ملیں گی غریب بیچارے تو مند دیکھتے رہ جائیں گے۔

وَكُمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيحًا

وَآفْتَهُ مِنْ الْفَهْمِ السَّقِيمِ

رہی ”ختہ حال لبید“ کے تین دیناروں والی بات، تو یہ بھی محض غلط ہے۔

”صحیح بخاری کی جلد اول ص 450,462 پر اور جلد دوم کے ص 895,858,857 پر اور صحیح مسلم کی جلد ثانی ص 221 پر یہ حدیث موجود ہے، کہیں بھی تین دیناروں 945 پر وغیرہ کی بات نہیں ہے۔“

وقتی اثر

منکرین حدیث، صحیحین کی حدیث کو ”یہودی سازش“ ثابت کرنے کیلئے تیسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

”اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔۔۔۔۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ کچھ اثر ہوا بھی تھا تو وہ بہر حال وقتی تھا جبکہ حضرت محمد ﷺ کو صرف ایک جادوگر نے پورے ایک سال تک جادو کے جال میں جکڑے رکھا۔۔۔۔۔“

ذہ: اسے کہتے ہیں دروغ گورا حافظہ نہ باشد!

حالانکہ ابھی ایک صفحہ پہلے لکھے ہیں کہ: ”ان کے جادو کے زور سے ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ وہ دوڑ رہی ہیں اس سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ اندر یہ سمجھوں کیا اُخْ،۔ مطلب صاف ہے کہ وہ رسیاں وغیرہ حقیقت میں نہیں دوڑ رہی تھیں بلکہ محض ”ان کے جادو کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ وہ دوڑ رہی ہیں“۔ اسے جادو کا اثر نہیں کہا جائیگا تو اور کیا کہا جائے گا۔ حلیے ”اثر“ نہ سہی ! منکرین حدیث نے موسیٰ علیہ السلام پر ”جادو کا زور“ تو مان ہی لیا ناں ! جس چیز کو وہ ”جادو کا زور“ کہہ رہے ہیں اسے ہی جادو کا اثر کہا جاتا ہے۔

”یخیل الیه“ کا معنی

منکرین حدیث نے آیت کا معنی بھی غلط لکھا ہے۔ ”خَيْلَ إِلَيْهِ مِنْ بَطْرَهُمْ“ کا معنی ”موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا“ نہیں ہے کیونکہ ”خَيْلَ إِلَيْهِ“ فعل مجبول ہے اور ایک ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ جس اسم کو فعل مجبول کے بعد ذکر کیا جائے وہ اسم، فاعل نہیں بلکہ مفعول ہوتا ہے۔ نیز ”خَيْلَ“ باب تفعیل کا صیغہ ہے اور باب تخيیل کے مشتقات جب ”الی“ یا ”لام“ کے صد کے ساتھ آئیں تو اس کا معنی ہوتا ہے : ایک چیز کو خلاف حقیقت دوسری چیز خیال کرنا۔
 ((خُيَّلَ إِلَيْهِ أَنَّهُ كَذَا عَلَىٰ مَا لَمْ يَسْمُ فَاعْلَمَهُ مِنَ التَّخَيِّلِ الْوَهْمِ))

یعنی خُيَّلَ إِلَيْهِ کا معنی ہے کسی چیز کے بارے میں وہم ہونا۔

(حقار الصحاح للرازي: 1/82۔ الصحاح في المذاهب البحري (متوفى 350ھ) باب الخاء مادة خ ل)

((يقال خُيَّلَ إِلَيْهِ:إِذَا شُبِّهَ لَهُ وَأُدْخَلَ عَلَيْهِ الْبَهْمَةُ وَالشَّبَهَةُ))

یعنی یہ الفاظ (خُيَّلَ یُخَيِّلُ) وہاں بولے جاتے ہیں جہاں کوئی شے کسی کے سامنے نہیں اور مشتبہ بنادی جائے۔

(تفہیق القدر لیلہو کاٹی۔ زیر تفسیر طہ، آیت ۶۰)

علامہ ابوالقاسم الزہری جارالله ”تخيیل“ کا مفہوم واضح کرنے کیلئے لکھتے ہیں :

((الْحَقُّ أَبْلَجُ لَا يُخَيِّلُ سَبِيلَهُ۔۔۔ وَالْحَقُّ يَعْرَفُهُ ذُوو الْأَلْبَابُ

وَخُيَّلَ إِلَيْهِ أَنَّهُ دَابَةٌ فَإِذَا هُوَ إِنْسَانٌ وَتَخْيِيلُ إِلَيْهِ وَأَفْعَلَ ذَالِكَ عَلَىٰ مَا خَيَّلَ إِلَيْهِ عَلَىٰ مَا أَرَتَكَ نَفْسُكَ وَأَوْهَمَتْ۔))
 ”یعنی حق خوب روشن ہے اس میں شبہ اور وہم نہیں آ سکتا۔ اور حق کو اہل دانش پہچان لیا کرتے ہیں۔ اور اسے خیال ہونے لگا کہ وہ ایک جانور ہے، حالانکہ وہ انسان تھا۔ (اور کہا جاتا ہے) ٹو اسی طرح کرجس طرح تیرے نفس نے تجھے دھکایا اور وہم میں ڈالا ہے۔ یعنی تو اپنے نفس کی تخیل (وہم میں ڈالنا) پر عمل کر۔“

(اساس البلاۃ کتاب الماء مادہ خیل)

سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

((الایہام ویقال له التخيیل ایضاً۔))

”یعنی ایہام (وہم میں ڈالنا) جس کا دوسرا نام تخیل بھی ہے۔“

(کتاب التعریفات باب الاف، الایہام)

ثابت ہوا کہ مخیل ایہ کا مطلب ہے خلاف حقیقت خیال آنا یا کوئی منظر حقیقت کے خلاف نظر آنا۔ مویٰ علیہ السلام کے ذہن میں غیر متحرک لاٹھیوں اور رسیوں کے دوڑنے کا جو خیال ڈالا گیا تھا اسکا سبب ”من سحرهم“ ہے، یعنی مویٰ علیہ السلام نے از خود رسیوں کے دوڑنے کا خیال نہیں کیا تھا بلکہ ”جادو کے زور“ سے آپؐ کے ذہن میں یہ خیال ڈالا گیا تھا۔ غالباً اسی لیے منکرین حدیث کو بھی چور لفظوں میں یہ ماننا پڑا کہ ”اگر فرض کر لیا جائے کہ کچھ اثر ہوا بھی تھا تو وہ بہر حال وقتی تھا۔“ اثر تو یقیناً ہوا تھا اور رہی ”وقتی اثر“ کی بات تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء پر جادو کا وقتی اثر ہو سکتا ہے اس سے نہ تو نبی کی توہین ہوتی ہے اور نہ ہی نبوت میں کسی قسم کی تشکیک پیدا ہوتی ہے۔ باقی منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ ”جادو گرنے پورے سال تک جکڑے رکھا،“ تو ایسی بات کسی صحیح حدیث میں ہرگز نہیں ہے۔ لہذا اس بات کو

بنیاد بنا کر صحیح احادیث کو یہودی سازش قرار دینا ایک یہودیانہ وہم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بعض الناس نے اپنا مطلب نکالنے کیلئے پوری آیت کا معنی ہی بدل ڈالا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ”مُخْلِلُ
الْيَهُودِ مِنْ هُنَّا تَسْعَى“، کامعنی ہے:

”ابتداء ہی میں مویٰ علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ یہ جو سانپیاں
دوڑ رہی ہیں جنگل میں انہیں کے فراڈ کے نتیجے میں دوڑ رہی ہیں۔“
اس ترجمہ میں کتنی مقامات پر تحریف کی گئی ہے مثلاً!

قرآن مقدس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ابتداء ہی میں یہ بات ڈال دی گئی تھی، بلکہ قرآن
 المقدس کے بیان کے مطابق جادوگروں کے لاثمیاں اور رسیاں ڈا۔۔۔ کے بعد اچانک وہ
یوں دکھائی دیئے گئیں کہ دوڑ رہی ہیں۔

۲..... دوسری بات یہ ہے کہ وہ رسیاں وغیرہ نہ تو ”سانپیاں“، بنی تھیں اور نہ ہی وہ مقابلہ
کسی جنگل میں ہو رہا تھا۔

۳..... تیسرا تحریف یہ ہے کہ بے حس و حرکت لاثمیوں کو حقیقت میں دوڑتا ہوا ثابت کرنے کی
کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ اگر وہ رسیاں اور لاثمیاں واقعہ دوڑ رہی ہوتیں تو ایسے حقیقی
منظر کے لیے ”مُخْلِلُ الْيَهُودِ“ کے الفاظ استعمال نہ کیے جاتے۔ بلکہ صاف الفاظ میں کہا
جاتا کہ وہ رسیاں اور لاثمیاں دوڑنے لگ گئیں۔ مُخْلِلُ الْيَهُودِ کے الفاظ وہیں استعمال کیے
جاتے ہیں جہاں کوئی منظر خلاف حقیقت دکھائی دے یا کوئی چیز خلاف حقیقت محسوس ہو یا
کسی چیز کی حقیقت میں اشتباہ و ابهام پیدا ہو جائے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے:

((شَكَى إِلَى النَّبِيِّ الْأَرْجُلُ يُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّئْءَ فِي
الصَّلْوَةِ قَالَ لَا يَنْصُرُ فَحَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا۔))

”یعنی ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ دورانِ نماز اسے خیال

آتا ہے کہ اس کا وضوء ٹوٹ چکا ہے، آپ نے اسے فرمایا کہ اسے (اس طرح کے حضن تخلیل سے) نماز نہیں مچھوڑنی چاہیے جب تک وہ آواز نہ نئے یا بدبو نہ پائے۔

(صحیح مسلم: 1/158)

کیا خیال ہے کہ صحابی مذکور کا وضوء حقیقت میں ٹوٹ جاتا تھا یا شخص ٹوٹنے کا خیال آتا تھا؟ اگر واقع میں ٹوٹ جاتا تھا تو اسے مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟ کیا وہ صحابی اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ ہوا کے خروج سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ نیز اگر واقع میں وضوء ٹوٹ جاتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اسی حال میں نماز جاری رکھنے کا حکم کیوں دیا؟ معلوم ہوا کہ اسے وضوء ٹوٹ جانے کا صرف خیال آتا تھا۔ ثابت ہوا کہ وہ لاثھیاں وغیرہ واقعہ نہیں دوڑ رہی تھیں بلکہ جادو کی وجہ سے دیکھنے والوں کو دوڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ منکرین کے پسندیدہ مصنف علامہ بصاص حنفی اس آیت (تخلیل الیہ من سحرہم انہا تسعی) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

((فَأَخْبَرَ أَنَّ مَا ظُنِّيَ سعيًا مِنْهَا لَمْ يَكُنْ سعيًا وَانَّمَا كَانَ تَخْيِيلًا.))

"یعنی اللہ سبحانہ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جن لاثھیوں اور رسیوں کو انہوں نے دوڑتا ہوا گمان کیا تھا وہ حقیقت میں نہیں دوڑ رہی تھیں بلکہ وہ صرف غیر حقیقی خیال تھا۔"

(احکام القرآن للجصاص، باب اخر حکم المسار: 1/103)

۲..... چوتھی تحریف یہ کی گئی ہے کہ "من سحرہم" کو فعل مابعد "تسعی" سے متعلق کر دیا گیا ہے، حالانکہ "من سحرہم" جار و مجرور متعلق فعل ماقبل "تخلیل" کے ہے۔ یعنی دیکھنے والوں کو جو خلاف حقیقت منظر دکھائی دے رہا تھا اس کا سبب جادوگروں کا جادو تھا۔

”کئی طرح کے ذہنی و جسمانی عوارض“

مکرین حدیث کی طرف سے چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اندریش محسوس کیا جبکہ حضرت محمد ﷺ کئی طرح کے ذہنی اور جسمانی عوارض میں بتلا ہو گئے۔“

رد: یہ مکرین حدیث کا ایک خالص بہتان اور جھوٹ ہے۔ صحیحین کی تفہیق علیہ حدیث کے اندر ہو بہو وہی لفظ ہے جو قرآن مقدس میں موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَإِذَا حَبَالَهُمْ وَعَصَيْهِمْ يَخْيِلُ إِلَيْهِ مِنْ سُحْرِهِمْ أَنْهَا تَسْعِ﴾

(ظ)

”پس ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کوان کے جادو کی وجہ سے یوں خیال میں آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔“

اور آپ ﷺ کے بارے میں ہے کہ:

((إِنَّهُ لَيُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ))

(صحیح بخاری: 2/858)

ترجمہ: آپ ﷺ کو یوں خیال میں آنے لگا کہ آپ نے فلاں کام کر لیا ہے حالانکہ نہ کیا ہوتا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے صرف خیل میں تبدیلی واقع ہوئی اور وہ بھی وقتی طور پر۔ ودونہ خرط القتاد

”بار بار دعا کرنی پڑی“

مکرین حدیث نے پانچویں وجہ یہ بتلائی ہے کہ: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو نبی خوف محسوس کیا بغیر کسی دعا کے از خود وہی نازل ہو گئی جبکہ حضرت محمد ﷺ کو بار بار دعا کرنی

پڑی۔“

وہ..... گویا مگر مین حدیث کے نزدیک بار بار دعا کرنا بھی کوئی ایسا فعل ہے جس سے دعا کرنے والے کے مقام و مرتبے میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بار بار دعا کرنے سے اللہ کا تقرب اور رحمت نصیب ہوتی ہے جس سے دعا کرنے والے کے اکرام و فضیلیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ دعائیہ الفاظ کو متعدد بار دہراتے تھے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کان اذا دعا دعا ثلاثاً واذا سألا سألا ثلاثاً۔))

یعنی آپ ﷺ جب دعا مانگتے تو تین بار مانگتے تھے اور جب اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتے تو تین بار کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: 2/108)

حدیث سحر کے الفاظ ”دعا و دعا“ کا یہی مطلب ہے۔

نیز آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں دعا کے بعد فرشتوں کی حاضری اور موئی علیہ السلام پر بغیر دعا کے وحی کا نزول، موئی کی برتری ثابت نہیں کرتا بلکہ آپ ﷺ کی برتری ثابت کرتا ہے۔ دونوں واقعات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ موئی علیہ السلام پر رسیوں وغیرہ کو دوڑتا ہوا محسوس کر کے خوف اور گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی اسلیے اللہ تعالیٰ نے موئی کے دعا کیے بغیر فوری تسلی دے دی جبکہ آپ ﷺ پر کسی قسم کا خوف اور گھبراہٹ قطعاً طاری نہیں ہوئی تھی اس لیے دعا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے شفاذے دی۔

اب قرآن مقدس سے ہی دونوں انبیاء کرام کے دو الگ الگ واقعات پیش خدمت ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ دعا کیے بغیر وحی کا آ جانا، دعا کے بعد وحی آنے پر کوئی فضیلیت اور برتری نہیں رکھتا۔ موئی علیہ السلام جب اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکلے تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ موئی علیہ السلام اپنی قوم سمیت دریا کے کنارے پر

پنچ ہی تھے کہ پیچے سے فرعون کا لشکر بھی آپنچا۔ قوم نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو گھبرا ائمہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی، پس اسی وقت بغیر دعا کے وہی نازل ہو گئی:

﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ مُوسَىٰ أَنِ اصْرِبْ بِعَصَاثَ الْبَحْرِ طَفَانَ فَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالظُّرُدِ الْعَظِيمِ﴾ (63/26)

”پس ہم نے موسیٰ کی طرف وہی کی کہ مارا پنا عصا دریا پر، پس وہ پھٹ گیا تو ہو گیا ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح“۔

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بغیر اللہ تعالیٰ نے وہی نازل فرمادی اور دریا میں راستہ بنایا کرتا کے تمام بنی اسرائیل کو بعافیت دریا کے دوسرے کنارے پہنچا دیا۔ اب دوسری طرف دیکھیے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کا بدر کے میدان میں مشرکین کے تین گناہ لشکر سے آنسا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا سے پہلے وہی نازل فرمادی کہ تسلی نہیں دی بلکہ وہ کے بعد تسلی آمیز وہی کا نزول ہوا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغْيِثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنَّى مُمِدَّ كُمْ بِالْفِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ (9/8)

”جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو اس نے قبول کیا تمہاری فریاد کو، کہ میں تمہاری مدد کیلئے بھیجوں گا ہزار فرشتے لگاتار آنے والے“

یعنی فریاد کرنے کے بعد مدد کی نوید سنائی گئی۔ کتبِ حدیث میں آپ ﷺ کی دعا الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ اگر دعا کے بعد منجانب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سے نبی کے مقام و مرتبے میں کسی واقع ہوتی ہے تو کیا قرآن مقدس بھی (معاذ اللہ) کسی ”یہودی سازش“ کا شکار ہو چکا ہے؟۔

”کامل ایک برس تک انتظار کرنا پڑا“

منکریں حدیث کہتے ہیں:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے کرتب دیکھ کر ذرا سا خوف زدہ ہوئے تو اسی وقت ان کی تسلی کردی گئی جبکہ حضرت محمد ﷺ کو ححر کے اثرات سے نجات پانے کیلئے کامل ایک برس تک انتظار کرنا پڑا۔“

ذہن: پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مکرینِ حدیث کے ”کامل ایک برس“ کا ثبوت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ سال تو کجا رہا ”کامل ایک ہفتہ“ کا ثبوت بھی کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ بے بنیاد اور ضعیف اقوال کا سہارا لے کر متفق علیہا احادیث کا انکار کرنا اور نام نہاد ”عشق رسول“ کا دعویٰ کر کے سادہ لوح مسلمانوں کا جذباتی استھان کرنا انتہائی بد دینتی کا کام ہے۔

بعض حضرات نے سال کی بجائے منداحم (۲۳/۶) کے حوالے سے چھ ماہ اثر رہنے کا اعتراض بھی کیا ہے مگر ان کا یہ اعتراض اس لیے غلط ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی رباح بن زید الصنعاوی ہے جس کے بارے میں امام تیکی بن معین فرماتے ہیں
 ((نقہ و کان یصحف و یخطئ کأنه لم يكن صاحب حدیث
 الا انه لا بأس به رجل صدوق))

”یعنی ثقہ تو ہے مگر تصحیف کرتا تھا اور اس طرح کی غلطیاں کرتا تھا کہ گویا صاحب حدیث ہی نہیں ہے، ویسے سچا آدمی ہے۔“

(روايات ابن الجبیر و ابن معین: 113)

چھ ماہ والا اضافہ اسی کی غلطیوں کا نتیجہ ہے ورنہ عام ثقہ روأۃ نے یہ زیادت بیان نہیں کی۔ لہذا اس روایت کو معرضِ استدلال میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

”خواب میں فرشتوں کے ذریعے آگاہ کیا گیا“

صحیح احادیث پر حملہ آور ہونے کیلئے مکرینِ حدیث نے ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے

کہ: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشقی کے لیے اللہ تعالیٰ خود ان سے مخاطب ہوا جبکہ حضرت محمد ﷺ کو خواب میں فرشتوں کے ذریعے آگاہ کیا گیا“۔

رد:..... منکرینہ حدیث کو سمجھ لینا چاہیے کہ نبی کو خواب میں فرشتوں کے ذریعے کسی بات سے آگاہ کرنا بھی وحی کی ایک شکل ہے اور نبی پر وحی جس شکل میں بھی آئے اس کی وجہ سے نبی کے مقام و مرتبے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ غور کیجیے! اللہ کے رسول ﷺ کے جد اعلیٰ اور اللہ کے خلیل پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کو اپنا الخاتم جگر ذبح کرنے کا حکم بذریعہ خواب دیا گیا، اور وہ بھی صریح الفاظ میں نہیں بلکہ خواب میں یوں دکھلایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کے مرتبے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہی فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنْ دِيْنًا مَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَةً إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا طَوَّاتَهُ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾

(125/4)

”اور اس سے بہتر کس کا دین ہو گا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور وہ نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا۔ اور اللہ نے بنالیا ابراہیم کو خالص دوست“۔

اسی طرح کی ایک اور مثال پیش خدمت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے خود مخاطب ہو کر انکی قوم کو ارض مقدسہ (بیت المقدس) میں داخل ہونے کا حکم دیا:

﴿وَإِذْ قَلَنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقُرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حِلْيَةً رَغْدًا.... إِلَخ﴾

(58/2)

”اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس شہر میں اور کھاتے پھر وہ اس میں جہاں چاہو فراغت سے“

اب ظاہر ہے اللہ تعالیٰ براہ راست بنی اسرائیل سے تو مخاطب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو خواب کے ذریعہ مسجد الحرام میں داخل ہونے کی بابت بتایا گیا۔ ارشاد رباني ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولُهُ الرُّؤْيَا يَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ إِنْشَاءَ اللَّهِ أَمْنِينَ الْخَ﴾ (27/48)

”اللہ نے مجھ دکھلایا اپنے رسول کو خواب حق کے ساتھ، تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن و امان کے ساتھ۔“

کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود مخاطب ہو کر بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کو محض خواب کے ذریعے مسجد حرام میں داخل ہوتے دکھایا گیا، لہذا موسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ پر برتری حاصل ہے؟ منکرینہ حدیث، احادیث صحیحہ پر اس قسم کے واهیات اعتراض کر کے دراصل قرآن مقدس کو مشکوک یا محرف ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر قطعی ناممکن ہے۔

”موسیٰ“ کے عصا نے چند لمحوں میں ہر قسم کے جادو کو فنا کر دیا،

جدید منکرینہ حدیث ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے چند لمحوں میں ہر قسم کے جادو کو فنا کر دیا جبکہ حضرت محمد ﷺ کو پہلے کنویں سے پانی نکلوانا پڑا پھر۔۔۔۔۔۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کو گر ہیں کھلوانے کیلئے دو مستقل سورتیں اتنا ناپڑ گئیں۔“

رد:..... اب ہمیں یقین ہو چلا ہے کہ یہ تحریر تیار کرنے والا شخص واقعی اسلامی عقائد سے بے خبر آدمی ہے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ مجذہ میں کسی نبی کا کمال نہیں ہوتا بلکہ وہ درحقیقت اللہ

تعالیٰ کا کمال ہوتا ہے۔ نہ تو موسیٰ علیہ السلام نے جادو کوفا کیا تھا اور نہ ہی ان کے عصانے یہ کمال دکھلایا تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام تو خود خوف زدہ ہو گئے تھے، یہ تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ تھا۔ جب مجذہ کسی نبی کا ذاتی فعل ہے ہی نہیں تو محض مجذرات کو بنیاد بنا کر کسی نبی کو کسی دوسرے نبی سے برتر اور افضل قرار دینا اصولی دین سے نا آشنا شخص کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آخری دو سورتیں محض اس لیے اتاریں گئیں تاکہ گریں کھوئی جائیں، تو یہ بات کسی صحیح حدیث میں نہیں پائی جاتی۔

معوذتین کا نزول

البتہ جن لوگوں نے اس بات کا محض اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ چونکہ ترجیحی قول میں معوذتین کا نزول مکہ میں ہوا تھا لہذا جادو والے واقعہ کے ساتھ ان کا تعلق ثابت کرنا غلط ہے، تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ کسی سورت یا آیت کا کسی خاص مقصد کیلئے دوبارہ نازل ہونا بعید از امکان ہرگز نہیں ہے بلکہ ایسا ہوا بھی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

((صرح جماعة من المتقدمين والمتاخرین بأن من القرآن ما تكرر نزوله۔ وقال ابن الحصار: قد يتكرر نزول الآية تذكيراً وموعظة۔))

”یعنی متقدمین ومتاخرین علماء مفسرین کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قرآن میں سے بعض (سورتوں یا آیات) کو دوبارہ نازل کیا گیا ہے۔ اور ابن الحصار نے کہا ہے کہ کبھی وعظ و تذکیر کی غرض سے نزول کا تکرار بھی کیا گیا ہے۔“

(الاتقان: 1/39)

اسی طرح امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزركشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وقد يُنزل الشَّئْ مرتين تعظيمًا لشأنه وتذكيرًا به عند حدوث سببه خوف نسيانه۔))

”یعنی بعض (سور یا آیات) کو ان کی عظمت شان کی وجہ سے کسی نئے پیدا ہونے والے واقعہ کے سبب دو دو بار بھی نازل کیا گیا ہے، کہ کہیں اس خاص موقع پر اسے بھلانہ دیا جائے۔“

(البرهان في علوم القرآن: 1/29 مطبوعہ دارالحیاء الکتب العربیہ تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم)

اسکے بعد امام زرشی نے چند مثالیں بھی ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی واقعہ کی بناء پر بعض آیات کو دوبارہ بھی نازل کیا گیا ہے۔

”مویٰ کا کمال جادوگروں پر اثر انداز ہوا“

منکرین حدیث نے احادیث صحیح پر ایک اور تیریجی چلایا ہے اور وہ یہ کہ:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال دیکھ کر جادوگروں کے دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا۔۔۔ جبکہ لمبید پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔۔۔“

وَدَنْ..... منکرین حدیث کی بے با کی یا بے علمی پر حیرت ہو رہی ہے کہ مجذہ کو ”موسیٰ علیہ السلام کا کمال“ سمجھ رہے ہیں۔ ان ”موحدین“ کو کون سمجھائے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال نہیں تھا۔ عصا کا تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال تھا اور اسی ان دیکھی ہستی (یعنی اللہ تعالیٰ) کے کمال کو دیکھ کر جادوگر معبد حقیقی پر ایمان لاتے ہوئے سجدہ میں گرپڑے تھے۔ جس طرح جادوگروں کے ایمان لانے میں موسیٰ علیہ السلام کے کسی ”کمال“ کا دخل نہیں ہے بالکل اسی طرح لمبید کے ایمان نہ لانے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضْلِلُ مَنْ يَشَاءُ وَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (8/35)

”پس بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔“

اور ایک لبید پر ہی موقوف نہیں، تمام ضدی یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَئِنْ أَتَيْتُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبْعُوا قِبْلَتَكُمْ﴾

(145/2)

”(اے پیغمبر ﷺ) اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں، تو بھی نہ مانیں گے آپ کے قبلہ کو۔“

منکرین حدیث کو سوچنا چاہیے کہ کیا اس طرح خود اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام سے مکتر ثابت کرنا چاہتا ہے؟ -

محمد رسول اللہ ﷺ کی برتری

منکرین حدیث نے جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے ان میں سے کسی ایک وجہ کی بنا پر بھی موسیٰ علیہ السلام کو محمد رسول اللہ ﷺ پر برتر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ دونوں واقعات کے خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر لحاظ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی ہی برتری ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ موسیٰ کے مقابلے میں جادوگر اعلانیہ طور پر میدان میں آئے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی جادوگر کو ہمت نہ ہوئی کہ میدان میں آ کر لکار سکے، بلکہ بزدلوں کی طرح چھپ کر وار کرنے کی ترکیب سوچی۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کا جادو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے مگر محمد رسول اللہ ﷺ پر ذرا بھی خوف طاری نہ ہوا بلکہ آپ ﷺ فوراً بارگاہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنے لگے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام اس قدر گھبرائے کہ اللہ تعالیٰ کو فوراً تسلی دینا پڑی مگر محمد رسول اللہ ﷺ پر قطعاً کوئی گھبراہٹ طاری نہ ہوئی اور تسلی بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ نیز موسیٰ علیہ السلام پر کیے گئے جادو کو زائل

کرنے کیلئے باقاعدہ ایک مجذہ دکھلایا گیا مگر محمد رسول اللہ ﷺ پر کیے گئے جادو کو زائل کرنے کیلئے کسی مجذے کے اظہار کی ضرورت ہی نہ پڑی بلکہ بغیر کوئی مجذہ دکھلائے محض فرشتوں کے ذریعے اطلاع دے کر جادو کو زائل کر دیا گیا۔

منکرینِ حدیث کا ”ایک اور پہلو“

منکرینِ حدیث نے صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو رد کرنے کیلئے ”ایک اور پہلو“ بھی اختیار کیا ہے، نمبر وار ان پر تبصرہ پیش خدمت ہے۔ فرماتے ہیں:

1..... ”فرض کر لیجیے کہ ان روایات کا ان تبعون الارجاع مسحور اسے کوئی تعارض نہیں ہے۔“

تبصرہ

آپ فرض کرنے کا تکلف کیوں کرتے ہیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ متفق علیہ احادیث کا ان آیات سے قطعاً کوئی تعارض نہیں ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان احادیث کو امت مسلمہ کی طرف سے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ کامز۔ لہذا منکرینِ حدیث کی بات شریعت میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔

2..... ”فرض کر لیجیے کہ یہ روایتیں لا یفلح الساحر حیث اتنی کے خلاف نہیں پڑتیں۔“

تبصرہ

فرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ احادیث سحر فی الواقع اس آیت کے خلاف ہرگز نہیں ہیں جیسا کہ گزشتہ صفات میں لکھا جا چکا ہے۔

(3) ”فرض کر لیجیے کہ ان کے متن میں کوئی تضاد نہیں ہے۔“

تبصرہ

حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کے متن میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ منکرینِ حدیث کا اپنا ذہنی

فساد ہے ورنہ متفق علیہ احادیث سحر میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔
4.....”فرض کر لیجیے کہ ان کی سندیں بھی ہر قسم کی خامی سے مکمل طور پر پاک ہیں۔“

تبصرہ

فرض کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ حقیقت اعلانیہ پکار رہی ہے کہ صحیحین کی ان احادیث میں ”صحیح حدیث“ کی تمام شرائط مکمل طور پر موجود ہیں۔ لہذا ان کی سندیں ہر قسم کی خامی سے بالکل پاک ہیں۔

5.....”فرض کر لیجیے کہ سفیان بن عینہ نے اپنی طرف سے ان میں ذرہ برابر کوئی اضافہ نہیں کیا۔“

تبصرہ

فرض کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ امام سفیان بن عینہؓ نے ایسا کچھ نہیں کیا، آپ کیوں خواہ مخواہ ائمہ حدیث کو وضع اور کذاب بنانے پر ثلث گئے ہیں؟ کیا منکر ہیں حدیث کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود ہے جس کی بناء پر ابن عینہؓ جیسے جلیل القدر محدث پر بد دینتی کا گھنا و نا الزام لگایا جاسکے؟ ہاتو ابرہام کتم ان کو تم صادقین۔

محمد بن عینہؓ کا اپنا قول ہے کہ:

((ما ستر الله احداً يكذب في الحديث.))

”یعنی جو شخص حدیث میں جھوٹ بولتا“

ہے اللہ اس کی پرده پوشی نہیں کرتا (بلکہ اس کا کذاب ہونا لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے)۔“

(شرح عقیدہ طحاۃ: 400)

اگر امام سفیان بن عینہؓ نے احادیث میں اپنی طرف سے اضافہ کیا ہوتا تو دنیاۓ اسلام نہیں ”احد الثقات الأعلام“ نہ کہتی اور پوری امت انکور و ایمٹ حدیث میں جنت تسلیم نہ کرتی۔

6.....”فرض کر لیجیے کہ ان روایتوں کا ایک ایک لفظ ہشام نے خود اپنے کانوں سے عروہ سے سنائے ہے۔“

تبصرہ

اگر منکرین حديث کے پاس ”ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے“ نہ سننے کا کوئی ثبوت موجود ہے تو اسے پیش کریں ورنہ خواہ مخواہ لایعنی باطلوں سے احادیث صحیحہ پر اعتراض کرنے سے پرہیز کریں۔ الامام المصری لیث بن سعد فرماتے ہیں:

(كتب الٰٰ هشام انه سمعه ووعاه عن ابيه۔)

”کہ ہشام بن عروہ نے مجھے لکھا کہ اس نے یہ حدیث اپنے باپ سے خود سنی اور خوب یاد رکھی ہے۔“

(صحیح بخاری: 1/462)

7.....”مخترر یہ کہ فرض کر لیجیے کہ یہ روایتیں اعلیٰ پائے کی صحیح اور انتہاء درجے کی قوی اور مضبوط ہیں۔“

تبصرہ

منکرین حدیث فرض کریں یا کچھ اور کریں، صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام و مرتبہ بخشنا ہے کہ منکرین حدیث تقلب فی البلاد کر کے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگالیں پھر بھی ان کی حیثیت و اہمیت کو نہیں گھٹا سکتے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کے بارے میں امام الحرمین فرماتے ہیں:

((”لَوْ حَلَفَ إِنْسَانٌ بِطَلاقٍ أَمْرَأَتِهِ أَنَّ مَا فِي كِتَابِ الْبَخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ مَا حَكَمَ بِصَحَّتِهِ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِمَا الزَّمْتَهُ طَلاقٌ وَلَا حَنْثَةٌ لِاجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ عَلَى صَحَّتِهِمَا۔“

کیا جبی پر جادو ہوا؟

”یعنی اگر کسی انسان نے حلف اٹھایا کہ بخاری و مسلم کی وہ احادیث جن پر ان دونوں (امام بخاری و مسلم) نے صحت کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ کے اقوال ہیں اگر ایسا نہ ہوتا پس یہوی کو طلاق دے دے گا، تو اس پر طلاق دینا لازم نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ اپنی قسم میں حانت ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں کا ان دونوں کی صحت پر اجماع ہے۔“ (مقدمہ مسلم للبوفی: 14)

علامہ عبدالحکیم حنفی لکھنؤی صحیح بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

((وحکمه بان صحيحه اصح الكتب بعد كتاب الله۔))
”یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب امام بخاری کی ”الجامع الصحيح“ ہے۔“

(مقدمہ عمدة الرعایہ: 39)

محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

((قد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وإنهما متواتران إلى مصنفيهما وإن كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين۔))
”یعنی محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ ان دونوں کتابوں (بخاری و مسلم) میں جو مرفوع متصل احادیث ہیں وہ قطعی طور پر صحیح ہیں۔ اور ان دونوں کتابوں کو انکے مصنفین سے روایت کرنے والوں کی تعداد حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ جو شخص ان دونوں کتابوں (بخاری و مسلم) کی حیثیت و مرتبے کو گراتا ہے وہ بدعتی ہے، مؤمنین کے علاوہ کسی اور راستے پر چل رہا ہے۔“

(جیۃ اللہ البالغہ باب طبیۃ کتب المریث: 1/134)

اسی طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی حنفی لکھتے ہیں:

((صحيح البخاری هو أصح الكتب بعد القرآن عند جمهور

المحدثین قال البخاری الحامل لی علی تأليفه انى رأيتنى واقفاً بين يدى النبی ﷺ و بيدى مروحة أذب عنه فعبر لى بأنى أذب الكذب عنه وما وضعتُ فيه حديثاً الا بعد الغسل وصلوة ركعتين))

”یعنی جمہور محدثین کے نزد یک صحیح بخاری قرآن کے بعد سب کتابوں سے زیادہ صحیح ہے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ اس کتاب (بخاری شریف) کی تالیف پر مجھے اس خواب نے آمادہ کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر پنکھا چلا رہا ہوں۔ مجھے اس کی یہ تعبیر بتائی گئی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب جھوٹی روایات کو آپؐ سے دور ہٹاؤں گا۔ میں نے اس کتاب میں جو بھی حدیث لکھی ہے، وہ غسل کرنے اور دور کعات نماز پڑھنے کے بعد لکھی ہے۔“

(کوثر النبی: 12)

اسکے بعد علامہ پرہارویؒ نے امام محمد بن احمد المروزیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: ((قال محمد بن احمد المروزی کنت نائماً بين الرکن والمقام فرأيت النبی ﷺ فقال لی يا زید الی متى تدرس كتاب الشافعی ولا تدرس كتابی فقلت يا رسول الله ﷺ وما كتابک؟ قال جامع محمد بن اسماعیل))

”امام محمد مروزیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ آپؐ نے مجھے فرمایا: تو کب تک میری کتاب چھوڑ کر شافعی کی کتاب پڑھتا رہے گا!۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کوئی کتاب ہے؟۔ آپؐ نے فرمایا میری

کتاب محمد بن اسماعیل بخاری کی الجامع (بخاری شریف) ہے۔ (ایضاً)

”اس کے باوجود“؟

منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ:

”اس کے باوجود مسئلہ سحر میں ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اخبار احادیث اور اخبار آحاد چاہے کتنی ہی قوی اور صحیح کیوں نہ ہوں ان کو قطعی اور یقینی اعتقادیات کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا جبکہ رسول اللہ ﷺ اور نبی علیہ السلام کا جادو سے متاثر ہو سکنا یا نہ ہو سکنا عقیدے کا مسئلہ ہے۔“

اُن عبارت میں منکرین حدیث نے دو دعوے کیے ہیں:

1: اخبار آحاد عقیدے میں جھٹ نہیں ہیں۔

2: بشمول رسول اللہ ﷺ کے انبیاء پر جادو کا۔ کا یا نہ ہو سکنا عقیدے کا مسئلہ ہے۔

عقائد کے باب میں خبر واحد کی جیت گز شہزادی سمعات میں واضح کی جا چکی ہے فلیراجع

من شاء۔

دوسرے نمبر پر جو دعویٰ منکرین حدیث نے لکھا ہے اسکی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں کی۔ حتیٰ کہ جس شرح عقائد سے انہوں نے عبارت نقل کر کے متفق علیہ حدیث سحر کو ناقابلِ احتجاج تھہرانے کی ناکام کوشش کی ہے، عقائد کی اس کتاب سے بھی اپنے ”عقیدے“ کا ثبوت پیش نہیں کر سکے۔ حالانکہ اسی کتاب کی شرح میں لکھا ہے کہ:

((اما الاعتقاد بكون السحر مؤثرا فلا باس به بل هو من

معتقدات اهل السنة خلافا لبعض المعتزلة))

”یعنی جادو کے مؤثر ہونے کا عقیدہ غلط نہیں ہے بلکہ یہ اہل السنۃ کے عقائد میں سے ہے، بعض معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔“

(الغیر اس شرح شرح العقائد: 290)

اگر انبياء پر جادو ہو سکنا یانہ ہو سکنا بھی اہل اللہ کے عقائد میں سے ہے تو جدید معتزلہ و منکرین حدیث کو چاہیے کہ اسے کتب عقائد میں سے ثابت کریں۔ ورنہ خواہ مخواہ شور مچانے سے کسی مسئلے کو عقیدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

کیا منکرین، علامہ تفتازانی کو صحیح العقیدہ سمجھتے ہیں؟

منکرین حدیث نے جس علامہ تفتازانی حنفی کا قول پیش کیا ہے وہ ارضی قبر میں مردے کی حیات کے قائل ہیں جبکہ منکرین حدیث ایسے عقیدے کے حامل شخص کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

((وانکر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض لأن الميت
جماد بالفتح لا حيّة له ولا ادراك فتعذيبه محال والجواب
انه يجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الأجزاء او في بعضها
نوعاً من الحيّة قدر ما يدرك الم العذاب او لذة التعنيم))

”یعنی بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ میت جماد ہوتا ہے، اس میں حیات و ادراک نہیں پایا جاتا لہذا اس کو عذاب دینا محال ہے (بعض معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ میت بلا حیات کو عذاب دیا جاتا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مردے کے جمیع اجزاء یا بعض اجزاء میں ایسی حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کی تکلیف اور نعمتوں کی لذت محسوس کر سکے۔“

(شرح عقائد: عذاب القبر و ثوابہ: ص 174 مطبوعہ ایم سعید کراچی)

نیز ”شرح المقاصد“ میں علامہ تفتازانی اپنا عقیدہ ان الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں:

اتفاق اهل الحق علی ان الله يبعد الى الميت فی القبر نوع حیاة قدر ما یتألم و یتلذذ و یشهد بذالک الكتاب والأخبار (والآثار))

”یعنی تمام اہل حق کا اس عقیدے پر اتفاق واجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کی طرف ایسی حیات لوٹاتا ہے جس سے وہ درد اور لذت محسوس کر سکے، اسی عقیدے کی گواہی کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہؓ میں ملتی ہے۔“

(شرح القاصد، المقصد السادس في المسعيات فصل في العاد، مطبوعہ دارالكتب العلمیہ بیروت: 366/3)

خدا کی شان دیکھیے کہ جس اعتراض کی بنا پر قدیم معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے من و عن اسی اعتراض کی بنا پر جدید معتزلہ نے بھی عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ مگر علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس عقیدے پر متفق ہیں کہ مردے کو درد و لذت محسوس کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ اس میں حیات لوٹاتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت سے یہی عقیدہ ثابت ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جدید معتزلہ، علامہ تفتازانی کا یہ قول بھی مانتے ہیں یا انہیں ”حیاتی“ قرار دے کر اپنی گفری توپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔

علامہ جصاص کا حوالہ

جدید منکرین حدیث نے علامہ ابو بکر جصاص خنی کا ایک قول پیش کیا ہے جس سے وہ متفق علیہ حدیث کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ علامہ جصاص کا یہ قول محض ظن تجھیں پر بنی ایک بے دلیل دعوے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ جو لوگ صحیحین کی احادیث کو ”ظن“ کہہ کر ٹھکرار ہے ہیں، انہوں نے متفق علیہ حدیث کے خلاف جصاص کی ایک بے دلیل نظری بات کو صحیفہ آسانی سمجھ کر سینے سے لگایا ہے۔ وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ علامہ جصاص چونکہ

معزلہ کے عقائد کی طرف بھی میلان رکھتے تھے، اس لیے جدید معزلہ نے ان کی اجماع امت کے خلاف ایک بے دلیل بات کو بھی سر آنکھوں پر رکھ لیا ہے۔

علامہ جصاصل چونکہ معزلہ عقائد کے حامل تھے اس لیے جدید معزلہ کے ہاں مستند سمجھے جاتے ہیں۔ منصور باللہ نے انہیں ”طبقات معزلہ“ میں ذکر کیا ہے۔

(شرح الأزهار: 2/4) انظر تعلیم علی الشیر و المفسر ون 2/438)

نیز ”التفسیر والمفسرون“ کے مصنف دکتور محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں:

((کذالک نجد الجصاصل يميل الى عقيدة المعتزلة ويتأثر بها
في تفسيره))

”یعنی ہم جصاصل کو پاتے ہیں کہ وہ معزلی عقیدے کی طرف مائل ہے اور اپنی تفسیر میں اس سے متاثر ہے۔“

(الشیر و المفسر ون: 2/441)

نیز علامہ جصاصل کو خود علمائے احناف نے بھی معزلہ عقائد کا حامل قرار دیا ہے۔ علامہ محمد حسین نیلوی دیوبندی لکھتے ہیں:

”امام جصاصل باوجود حنفی محدث ہونے کے بعض بعض اعتقادی مسائل میں اہل اعتزال کے مسلک کی طرف جھک گئے ہیں جیسے علامہ زختری باوجود اس کے کہ فروعات میں حنفی عالم تھے مگر اعتقادیات میں کٹر معزلی تھے..... امام ابو بکر رازی جصاصل اس مسئلہ میں معزلی فرقہ کی رائے کی طرف مائل ہیں اخ“۔

(کیا رسول اکرم ﷺ پر جادو ہوا: ص 6)

علامہ جصاصل کا معزلہ ہونا چند اس تجуб کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ حنفی حضرات کی فہرست میں معزلہ، مرجمہ حتیٰ کہ شیعہ کا اندر ارج بھی ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنؤی حنفی لکھتے ہیں:

((وبالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة

فمنهم الشیعہ و منهم المعتزلة و منهم المرجئة))
”یعنی اختلاف عقیدہ کی بنا پر حفیہ کی کئی شاذیں ہیں، ان میں شیعہ بھی ہیں
اور معتزلہ اور مرجیہ بھی۔“ -

(الرفع والتمیل: ص 386)

کیا منکرین کے نزدیک علامہ جصاص صحیح العقیدہ ہیں؟

منکرین حدیث سحر نے جس علامہ جصاص حنفی کی عبارات کا سہارا لے کر متفق علیہا
احادیث کو خلاف قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ علامہ جصاص شہداء کی بدنبی حیات
کے بھی قائل ہیں۔ جبکہ موجودہ منکرین شہداء کی جسمانی بدنبی حیات کے قائلین کو قرآن کا
مخالف تھہراتے ہیں۔ علامہ جصاص لکھتے ہیں:

((وقال الجمھور ان الله تعالى يُحييهم بعد الموت فينيلهم من النعيم بقدر استحقاقهم إلى ان يفنيهم الله تعالى عند فناء الخلق ثم يعيدهم في الآخرة ويدخلهم الجنة لأنه اخبر أنهم أحياء وذاك يقتضى أنهم أحياء في هذا الوقت ولأن تأويل من تأول على أنهم أحياء في الجنة يؤدى إلى ابطال فائدته لأن أحداً من المسلمين لا يشك أنهم سيكونون أحياء مع سائر الجنة اذا الجنة لا يكون فيها ميت))

”یعنی جمہور نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ان کو زندہ کر دیتا ہے، پس ان کو ان کے انتھاق کے مطابق راحت پہنچتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق کو فناء کرتے وقت ان کو بھی فناء کر دے گا، پھر ان کو آخرت میں لوٹائے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور یہ بات اس بات کا تقاضا کرتی

ہے کہ وہ اس وقت زندہ ہیں۔ لہذا جن لوگوں نے اُنکی یہ تاویل کی ہے کہ وہ (دنیا کی بجائے) جنت میں زندہ ہیں وہ اس ارشاد باری کے فائدہ کو باطل کر دینے کے درپے ہیں، کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی اس میں شک نہیں ہے کہ سب اہل جنت کی طرح شہداء کرام بھی زندہ ہونگے کیونکہ جنت میں تو کوئی بھی مردہ نہ ہوگا۔“

(احکام القرآن للبعاص: 2/51 مطبوع مصر)

یعنی علامہ جصاص کے نزدیک اللہ تعالیٰ شہداء کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور آخرت و جنت میں پہنچنے سے پہلے ہی شہداء کو حیات حاصل ہے۔ جن لوگوں کو علامہ جصاص کے اقوال پر اس قدر بھروسہ اور اعتقاد ہے کہ جصاص کی تقلید میں متفق علیہا احادیث کا انکار کر دینا بھی انہیں نہایت سہل کام محسوس ہوا ہے، انہیں چاہیے کہ اب علامہ جصاص کا مذکورہ بالا عقیدہ بھی قبول فرمائیں۔ مگر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ منکرین حدیث سحر جصاص کے اس عقیدے کو قبول کرنے کی بجائے اسے خلاف قرآن ثابت کر کے ہی دم لیں گے۔
فالحمد لله على ذلك

امام ابن قیم کا حوالہ

بعض منکرین حدیث سحر نے ابن قیم رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تاریخ دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ بھی متفق علیہ حدیث سحر اور سحر علی النبیؐ کے منکر ہیں۔ کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ جب کسی کا دل ذکر رواذ کار سے بھرا ہوا اور متوجہ الی اللہ ہو تو اس پر جادو نہیں چل سکتا۔ درحقیقت امام ابن قیمؓ نے یہاں جادو کا مکمل غلبہ اور تسلط مراد لیا ہے کہ ایسے شخص پر جادو کا تسلط نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

(التحل: 16/99)

”بے شک اس کا تسلط نہیں ہوتا ان لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“

یعنی جس نے اللہ پر بھروسہ کیا اور اس پر ایمان لے آیا، اس پر شیطان کا وسوسہ حاوی نہیں ہو سکتا۔ اگر مون متنقی آدمی بمعنی اے بشریت کسی وقت محض تھوڑی دری کیلئے شیطان کی کسی حرکت سے متاثر ہو بھی جائے، تب بھی شیطان اپنا قدر اور تسلط اس پر نہیں جما سکتا بلکہ وہ شخص بہت جلد اس عارضی اثر سے بھی نکل جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقُوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَاذَا هُمْ مُبَصِّرُونَ﴾ (الاعراف: 201)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے تقوی اختیار کیا، جب مجنوں لے ان کو شیطان کا گذر (یعنی وسوسہ وغیرہ) تو یاد کرتے ہیں ہیں پھر ان کو سوچ جاتی ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فتَابُوا وَأَنَابُوا وَاسْتَعَاذُوا بِاللَّهِ وَرَجَعُوا إِلَيْهِ مِنْ قَرِيبٍ))

”یعنی وہ توبہ کرتے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ سے استعاذه کرتے (یعنی پناہ مانگتے) ہیں، اور جلدی اس کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔“

(تفہیم القرآن العظیم: 3/534 مطبوعہ دار طبیہ للنشر والتوزیع)

ثابت ہوا کہ اہل تقویٰ و اہل استعاذه و استغفار پر بھی وسوسہ وغیرہ کا اثر ہو سکتا ہے، اور ہوتا بھی ہے جس کے بعد وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر استعاذه کرتے ہیں تو وہ اثر زائل ہو جاتا ہے۔ رہا جادو کا ایسا اثر جو فقط خیال تک محدود ہو اور خود خیال کرنے والے کو اس خیال کا بے حقیقت ہونا بھی معلوم ہو تو ایسے اثر کی نفی ابن قیمؓ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اس قدر معمولی اثر تو خود قرآن مقدس سے بھی ثابت ہے۔ ابن قیمؓ کی ”زاد المعاذه“ سے نقل کردہ عبارت انکی کتاب ”الطب النبوی“ میں بھی موجود ہے، اس سے چند سطریں پہلے امام ابن قیمؓ لکھتے ہیں کہ:

((وَكَانَتْ غَايَةُ هَذَا السُّحْرِ فِيهِ انْمَاءٌ هُوَ فِي جَسْدِهِ وَظَاهِرٌ
جَوَارِحُهُ، لَا عَلَىٰ عَقْلِهِ وَقُلُوبِهِ۔ وَلَذَالِكَ لَمْ يَكُنْ يَعْتَقِدْ صَحَّةً
مَا يَخْيِلُ إِلَيْهِ مِنْ اتِيَانِ النِّسَاءِ بَلْ يَعْلَمُ أَنَّهُ خَيْالٌ لَا حَقْيَةَ
لَهُ، وَمِثْلُ هَذَا قَدْ يَحْدُثُ مِنْ بَعْضِ الْأَمْرَاضِ))

”یعنی اس جادو کا زیادہ سے زیادہ جو اثر ہوا وہ بس آپ ﷺ کے جسم مبارک
اور ظاہری اعضاء تک محدود تھا، آپؐ کے دل و دماغ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا
تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو ازواج کے پاس تشریف لے جانے کا جو خیال گزرتا تھا
، آپؐ خود بھی اس کو صحیح نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپؐ کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ محس خیال ہے
جس میں کوئی حقیقت نہیں ہے، اور بعض امراض میں ایسا ہو جاتا ہے۔“

(الطب النبوی: 107)

ثابت ہوا کہ منکرین نے ابن قیمؓ کی جو عبارت پیش کی ہے، اس میں ایسے اثر کی نظری ہے
جو انسان کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو جائے۔ ابن قیمؓ نے اس سے ایک صفحہ قبل
منکرینؓ حدیث سحر کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

((قَدْ أَنْكَرَ هَذَا طَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ وَقَالُوا لَا يَجُوزُ هَذَا
عَلَيْهِ؛ وَظَنُوهُ نَقْصًا وَعَيْبًا۔ وَلَيْسَ الْأَمْرُ كَمَا زَعَمُوا، بَلْ هُوَ مِنْ
جَنْسِ مَا كَانَ يَعْتَرِي بِهِ مُشَكِّلٌ مِّنَ الْأَسْقَامِ وَالْأَوْجَاعِ وَهُوَ مَرْضٌ
مِّنَ الْأَمْرَاضِ وَاصْبَابُهُ كَاصْبَابِهِ بِالسَّمِ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا۔ وَقَدْ ثَبَّتَ
فِي الصَّحِيحِينَ عَنْ عَائِشَةَ بْنِهِ، أَنَّهَا قَالَتْ: ”سُحْرُ رَسُولِ اللَّهِ
مُشَكِّلٌ حَتَّىٰ أَنَّهُ كَانَ لِيُخَيِّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَأْتِي نِسَاءً وَلَمْ يَأْتُهُنَّ“))

”یعنی لوگوں کی ایک نوی نے سحر علی النبیؐ کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ
آپؐ مُشَكِّلٌ پر جادو کا اثر مانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ آپؐ کیلئے نفس اور عیوب

ہے۔ لیکن حقیقت اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ جادو کا یہ اثر بھی آپؐ کو پیش آمدہ دیگر امراض و تکالیف کی جنس میں سے ہے اور آپؐ پر جادو کا اثر ہونا ایسے ہی ہے جیسے آپؐ پر زہر کا اثر ہونا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں ثابت ہے کہ امام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں : رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپؐ کو خیال گزرتا تھا کہ اپنی ازاوج کے پاس گئے ہیں جبکہ گئے نہ ہوتے۔“

(زاد المعاد: 4/113)

امام ابن قیمؓ کی تحریر اپنے مقصود پر بالکل واضح اور صاف ہے، اسکے باوجود اگر جدید منکرین امام ابن قیمؓ کو حدیث سحر علی النبیؐ کا منکر سمجھتے ہیں تو انکے حق میں صرف دعائے استغفار ہی کی جاسکتی ہے۔

جادو ایک علم ہے

چونکہ جادو غیر شرعی و سفلی علوم میں سے ایک علم ہے جسے باقاعدہ سیکھا اور سکھایا جا سکتا ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے بالمقابل لائے گئے جادوگروں کو قرآن مقدس میں ”ساحر علیم“ اور ”سحرا علیم“ کہا گیا ہے۔

﴿وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ☆ يَا تُولَّ كِبُّلَ سَاحِرٍ عَلِيمٍ﴾
(112/7)

”اور بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو کہ وہ لے آئیں تیرے پاس ہر عالم جادوگر کو۔“

یعنی ایسے جادوگروں کو لا یا جائے جو علم سحر میں کامل ہوں۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی صفائی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ واتبعوا ما تتلوا الشياطين على ملک سليمان ح وما كفر ﴾

سليمان ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر ﴾

(۱۰۲/۲)

”اور انہوں نے پیروی کی اس علم کی جو پڑھتے تھے شیطان سليمانؐ کی بادشاہت کے وقت، اور نہیں کفر کیا سليمانؐ نے لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ تعلیم دیتے تھے لوگوں کو جادو کی“۔

”حضرت قادہؓ کا بیان ہے کہ حضرت سليمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے ایک کتاب تیار کی جس میں جادو اور شرک تھا، اور لوگوں میں اس کی اشاعت کی اور اس میں لکھا ہوا جادو لوگوں کو سکھانے لگے۔“

(تفسیر جواہر القرآن: ۱/ ۵۴، ازمولانا غلام اللہ خاں)

ماتتلوا الشياطين کا صحیح مفہوم

قرآن مقدس میں لفظ ”تتلوا“ پانچ مقامات پر لایا گیا ہے، ہر مقام پر اس کے معنی ”پڑھنے“ کے ہیں۔ ایک مقام تو یہی ہے جو اور پر مذکور ہوا۔

2: دوسرا مقام یہ ہے:

﴿ وما تكون في شأن وما تتلوا منه من قرآن ولا تعملون من ﴾

عمل الا كنا عليكم شهودا ﴾

”اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام مگر ہم حاضر ہوتے ہیں تمہارے پاس۔“ (61/10)

3: (کذالک ارسلناك فی امة قد خلت من قبلها امم لتتلوا عليهم
الذی او حینا اليك))

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

145

”اسی طرح ہم نے تجھ کو بھیجا ایک امت میں کہ گزر چکی ہے اس سے پہلے بہت

امتیں تاکہ تو پڑھے ان پر جو حجی کیا ہم نے تیری طرف۔“ (30/13)

4: ((وما كنت ثاویا فی اهل مدین تتلوا علیهم آیا تنا))

”اور ٹو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ ان پر پڑھتا ہماری آیات۔“ (28/45)

5: ((وما كنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینک))

”اور ٹو نہ پڑھتا تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے دانے ہاتھ

سے۔“ (48/29)

ثابت ہوا کہ ”ما تتلوا الشیاطین“ سے ایسا علم مراد ہے جسے پڑھا جاتا تھا۔

اعتراض: مبحوث عنہا آیت میں ”تتلوا“ کا معنی ”پچھے چلنا“ ہے۔

جواب.....

یہ معنی جمہور مفسرین و مترجمین کے خلاف اور شاذ ہے۔

1: الف: یہ معنی خود قرآنی قاعدے کے بھی خلاف ہے کیونکہ قرآن مقدس میں جہاں بھی تلا یتلوا کا باب ”علیٰ“ کے ساتھ متعدد کیا گیا ہے وہاں اس کا معنی ”پڑھنا“ اور ”سنا“ ہی ہے۔ حوالہ کیلئے درج ذیل آیات کا دیکھنا مفید رہے گا:

یونس: 15 و 16 و 71۔ انعام: 51۔ الکھف: 83۔ رعد: 30۔ قصص: 3 و 45 و 53 و 59۔ آل

عمران: 58 و 101 و 108 و 164۔ بقرہ: 102 و 151 و 169 و 252۔ جاثیہ: 6 و 8 و 25 و 31۔

الجمع: 2۔ الطلاق: 11۔ الحج: 30 و 72۔ الزمر: 71۔ مائدہ: 1 و 27۔ اعراف: 175۔ شعراء: 175۔

انفال: 2 و 31۔ مریم: 58 و 73۔ مومنون: 66 و 105۔ لقمان: 7۔ سبا: 43۔ احکاف: 7۔

قلم: 15۔ مطہرین: 13۔ نساء: 127۔ اسراء: 107۔ عنکبوت: 51۔

ب: قرآن مقدس میں جہاں تلا یتلوا کا باب ”علیٰ“ کے تعداد کے بغیر آیا ہے، وہاں معنی کے لحاظ سے دو صورتیں ہیں۔ اگر تلا یتلوا کے مشتقات کے بعد کسی ایسے مفعول کا

ذکر ہو جس میں پڑھے جانے کی صلاحیت ہو (جیسے کتاب، قرآن، آیات اور صحفاً مطہرة وغیرہ) تو وہاں بھی اس کا معنی ”پڑھنا“ یا ”سنانا“ ہی ہوتا ہے۔ اور اگر کسی ایسے مفعول کا ذکر ہو جس میں پڑھے جانے کی خاصیت نہیں تو وہاں اس کا معنی ”پیچھے چلنا“ ہوتا ہے۔ جیسے:

﴿وَالشَّمْسُ وَضُحْهَا وَالقَمَرُ اذَا تَلَاهَا﴾

”فِتْمٌ هُوَ سُورَجٌ كَيْ أَوْ رُوشَنِيَّ كَيْ، أَوْ چَانِدَ كَيْ جَبَ وَهُوَ اسَّ كَيْ پیچھے آئَے۔“

یہاں ”تلاء“ کا مفعول ٹھس یعنی سورج ہے اور سورج چونکہ کوئی پڑھی جانے والی شئی نہیں ہے لہذا یہاں ”تلاء“ کا معنی ”پیچھے چلنا“ ہے۔ اور پورے قرآن مقدس میں یہی ایک ہی مقام ہے ورنہ باقی ہر مقام پر تلا یتلوا کا باب ”پڑھنے“ اور ”سنانے“ کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ لہذا قرآنی قاعدے کی رو سے ”ما تتلوا الشیاطین“ کا معنی ہے ”وہ علم جس کو شیاطین پڑھتے تھے۔“

حدیث: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبۃ من السحر))

”یعنی جس شخص نے علم نجوم حاصل کیا، اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا۔“

(ابوداؤ: رقم الحدیث: 3899۔ منداحمر قم الحدیث: 2836۔ ابن ماجہ: 273)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ جادو ایک علم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے علم نجوم کو جادو کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔

☆ علاوه ازیں علامہ شامی جو فقهائے احناف میں سے ہیں، لکھتے ہیں:

((والسحر هو علم يستفاد منه حصول ملکة نفسانية يقتدر بها على افعال غريبة لأسباب خفية))

”یعنی جادو ایک علم ہے جس سے ملکہ نفسانیہ حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعے جادو گرا یہی عجیب و غریب کام سر اجام دیتا ہے جن کے اسباب مخفی ہوتے ہیں۔“

(روایت رمذان در المختار: 1/33)

اسی طرح علامہ محمد بن عبد اللہ المعروف بجیون لکھتے ہیں:

((مذهب اهل السنة و جمهور علماء الأمة اثبات السحر وأن
له حقيقة كحقيقة غيره من الأشياء))

”یعنی اہل النہیۃ اور امت کے جمہور علماء کا مذهب یہ ہے کہ جادو ثابت ہے اور
اسکی بھی دیگر اشیاء کی طرح ایک حقیقت ہے۔“

(مفہوم الحاجہ شرح ابن ماجہ: 261)

علامہ محمود آلوی حنفی لکھتے ہیں:

((وبعضهم أنكرَ أصلَ السحرِ ونَفَى حقيقتهُ وأضافَ ما يقع
منه إلَى خيالاتٍ باطلةٍ لا حقائقَ لها ومذهب اهل السنة
وعلماء الأمة على اثباتِهِ وإنْ له حقيقة كحقيقة غيره من
الأشياء لدلالة الكتاب والسنة على ذالك))

”یعنی بعض لوگوں نے جادو کی بنیاد اور حقیقت کا انکار کیا ہے اور جادو کے اثرات
کو خیالات باطلہ کی طرف منسوب کیا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اہل
النہیۃ اور علماء امت کا مذهب یہ ہے کہ جادو ثابت ہے اور دیگر اشیاء کی طرح اس
کی بھی ایک حقیقت ہے کیونکہ اس پر کتاب و سنت نے دلالت کی ہے۔“

(تفیر روح المعانی: زیر تفسیر سورت فلق آیت نمبر ۳)

امام ابراہیم بن عمر الباقعی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۵ھ) لکھتے ہیں:

((واعلم ان العلم منه محمود ومنه مذموم لا يُدْمُ لِعَيْنِهِ انما

یُدُّمٌ فِي حَقِ الْعَباد لِأَسْبَابٍ ثَلَاثَةً: أَوْلَاهَا أَنْ يَكُونْ مَؤْدِيَا إِلَى
ضَرِّ كَعْلِمِ السُّحْرِ وَالظُّلْمَاتِ وَهُوَ حَقٌّ أَذْ شَهَدَ الْقُرْآنُ بِهِ
وَأَنَّهُ سَبَبٌ لِلتَّفْرِقَةِ بَيْنَ الرَّوْجَيْنِ، وَسُحْرَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَرْضٌ
(بسببه))

”جان لو کہ علوم میں سے بعض علم محمود ہوتے ہیں اور بعض علم مذموم لغیرہ ہوتے
ہیں یعنی انکی مذمت صرف اس وقت کی جاتی ہے جب ان کے ذریعے بندوں کو
نقسان پہنچایا جائے، اور اس کے تین اسباب ہیں: پہلا سبب یہ ہے کہ وہ علم ایسا
ہو جو نقسان کی طرف لے جانے والا ہو جیسے جادو اور ظلمات کا علم۔ اور علم سحر
ثابت ہے کیونکہ قرآن نے اسکی شہادت دی ہے اور یہ زوجین کے درمیان
جادوئی ڈالنے کا سبب بھی ہے، اور رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا جس کی وجہ
سے آپ ﷺ بیمار ہوئے۔“

(نظم الدرر فی تابع الآیات والسور، زیر تفسیر سورت انعام، آیت ۹۷: ۹۷/ 97)

اسی طرح امام ابوالبرکات نفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۷ھ) آیت ﴿فَيَعْلَمُونَ مِنْهُمَا مَا
يَفْرُقُونَ بَيْنَ الْمَرْءَ وَزَوْجِهِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((اَيْ عِلْمٌ السُّحْرِ الَّذِي يَكُونْ سَبِيبًا فِي التَّفْرِيقِ بَيْنِ
(الزَّوْجَيْنِ))

”یعنی وہ ایسا جادو کا علم سیکھتے تھے جو میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کا سبب ہوتا
ہے۔“

(مدارک التنزیل وحقائق التاویل، زیر تفسیر بقرہ، آیت ۶۶: ۶۶/ 98)

اسی طرح امام عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَفِي هَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ السُّحْرَ لَهُ حَقِيقَةٌ وَأَنَّهُ يَضُرُّ بِإِذْنِ اللَّهِ

، ای بارادہ اللہ))

”یعنی اس آیت (فَتَعْلَمُونَ مِنْهَا أَلْئَمْ) میں اس بات کی دلیل ہے کہ جادو کی حقیقت ہے اور جادو باذن اللہ یعنی اللہ کے ارادہ سے نقصان پہنچاتا ہے۔“

(تفسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام النبی للسعیدی: 61/1 مطبوعہ مؤسسة الرسالۃ)

مشہور مفسر امام قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۴ھ) فرماتے ہیں:

((ذہب اهل السنۃ الیٰ أن السحر ثابت وله حقيقة فمن ذلك ما جاء في هذه الآية من ذكر السحر وتعلیمه، ولو لم يكن له حقيقة لم يكن تعلیمه ، ولا أخبرَ تعالیٰ أنهم يعلمونه الناس ، فَدَلَّ عَلٰی أَن لَه حقيقة . وقوله تعالیٰ فِي قصص سَحَرَة فرعون : ”وَجَاءُوا بِسَحْرٍ عَظِيمٍ“ و ”سُورَةُ الْفَلْقِ“ مع اتفاق المفسرين عَلٰی أَن سبب نزوله اماکان مِن سَحْرٍ لبید بن الأعصم ، وهو مما خَرَجَهُ الْبَخَارِی و مُسْلِم و غيره ماعن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: سَحَرَ رَسُولَ اللہ ﷺ يهودیٌّ مِنْ يهود بَنِي زُرِيق يقال له لبید بن الأعصم ، الحدیث ، وفيه: أَن النَّبِي ﷺ قَالَ لِمَا حَلَ السَّحْرُ: (إِنَّ اللَّهَ شَفَانِي) و الشفاء انما يكون برفع العلة و زوال المرض ، فَدَلَّ عَلٰی أَن لَه حَقًا وَحْقِيقَةً ، فهو مقطوعٌ بِإِخْبَارِ اللَّهِ تَعَالَى وَرَسُولِهِ عَلٰی وَجْوهِهِ وَوَقْوَعِهِ ، وَعَلٰی هَذَا أَهْلُ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ الَّذِينَ يَنْعَدُ بِهِمُ الْأَجْمَعُونَ ، وَلَا عَبْرَةَ مَعْتَزِلَةٍ وَمَخَالِفَتِهِمْ أَهْلُ الْحَقِّ))

”یعنی اہل السنۃ کا ذہب یہ ہے کہ جادو ثابت ہے اور اسکی اپنی ایک حقیقت

ہے۔ من جملہ دیگر دلائل کے اس کی ایک دلیل یہ آیت (فیتعلمون منه ما الخ) بھی ہے جس میں جادو اور اسکی تعلیم و تعلم کا ذکر ہے، اگر جادو کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو اسکی تعلیم بھی نہ ہوتی، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دیتے کہ وہ لوگ دوسروں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے، پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جادو کی حقیقت ہے۔ اسی طرح فرعون کے جادوگروں کے قصہ میں اللہ سبحانہ کا یہ فرمان کہ: ”وَهُوَ بِإِذْنِ رَبِّهِ أَخْرَجَهُ مِنَ الْمَدِينَةِ وَلَمْ يَأْتِ بِأَثْرَهُ“ (بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جادو کی حقیقت ہے) اور سورت فلق، جس کے بارے میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس کے نزول کا سبب لبید بن عاصم کا جادو تھا جو اس نے آپ ﷺ پر کیا تھا۔ یہ واقعہ امام بخاریؓ، امام مسلمؓ اور دیگر محدثینؓ نے ام المؤمنین عائشہؓؑ پر اس سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث میں ہے کہ جب جادو کا اثر ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دے دی ہے“، اور شفاء تو یہاں اور مرض کے ختم ہونے پر ہی حاصل ہوتی ہے، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ جادو کا وجود اور حقیقت ثابت ہے۔ پس جادو کا وجود اور اس کا واقع ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کے وجود اور وقوع کی خبر دی ہے۔ اسی مذہب پر ہیں تمام اہل حل و عقد جن کے ساتھ اجماع منعقد ہوتا ہے (یعنی تمام اہل النہ ہی علم جن کا اجماع معتبر ہے) اور اہل النہ اور اہل حق کے اتفاق کے ہوتے ہوئے معززہ جیسے چھان بُورا قسم کے لوگوں کی مخالفت کوئی وزن نہیں رکھتی۔

(تفسیر قرطبی: 2/46)

ثابت ہوا کہ جادو محض ”ڈھکو سلے“ اور بے حقیقت شئی نہیں ہے بلکہ دیگر اشیاء کی طرح اپنا ایک وجود رکھتا ہے نیز یہ بھی ایک علم اور باقاعدہ فن ہے جسے سفلی علوم کے ساتھ دلچسپی رکھنے

والے لوگ سیکھتے اور سکھاتے ہیں، اور اس سے باذن اللہ نقسان بھی پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم معتزلہ حضرات کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت اور اہل حق کی مخالفت ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے جھنڈے تلنے جمع ہو جائیں اور خواہ مخواہ ضد میں آکر اپنی عاقبت بر باد نہ کریں۔

جادو کا اثر

جس طرح دیگر مضر اشیاء میں ضرر اور نقسان پہنچانے کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح جادو میں بھی ہوتا ہے۔ قرآن مقدس نے جادو کا ایک قسم کا اثر اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿فَيَتَعْلَمُونَ مَا يَفْرَقُونَ بَهْ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ

بَصَارِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِاذْنِ اللَّهِ﴾ (بقرہ)

”پس وہ سیکھتے تھے ان دونوں سے ایسی چیز جس کے ذریعے وہ شوہر اور اسکی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے ہیں، اور وہ اس کے ساتھ کسی کا نقسان کرنے والے نہیں ہیں اللہ کے اذن کے بغیر۔“

”فرشتؤں کے روکنے کے باوجود لوگ اس جادو کو ناجائز طور پر استعمال کرنے لگے اور زیادہ تر خاوند، بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کیلئے اسے استعمال کرتے تھے۔ و ماہم بضارین بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِاِذْنِ اللَّهِ جادو ٹوٹکے اور تعویذ گنڈے سے جو بھی آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم اور اسکی قضاء سے ہوتے ہیں کیونکہ فاعل اور موثر حقیقی وہی ہے نہ کہ یہ چیزیں، یہ چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں۔“

(تفیر جواہر القرآن: 1/55)

حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

((قدم رجال من المشرق فخطبوا عجب الناس لبيانهم افال

رسول اللہ ﷺ ان من البيان لسحرا وان بعض البيان
(لسحر))

”مشرق (کے علاقہ) سے دوآمدی آئے، انہوں نے خطاب کیا تو لوگ ان کے بیان
سے بہت متعجب ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بعض بیان جادو ہوتے ہیں“۔

(صحیح بخاری: 2/858۔ ابو داؤد رقم المردیث: 4999)

سیدنا عمر بن الخطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان طول صلواة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه
فأطيلوا الصلوة وأقصروا الخطبة وان من البيان سحر))
”بے شک لمی (یعنی طمیان والی) نماز پڑھنا اور چھوٹا خطبہ دینا آدمی کے فقیہ
ہونے کی علامت ہے، پس تم لمی نماز پڑھا کرو اور مختصر خطبہ دیا کرو، اور بے شک
بعض بیان جادو ہوتے ہیں“۔

(صحیح مسلم: 1/286)

سیدنا عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ : ”ان من الشعر حكما، وان من القول
سحرأ“))

”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بے شک بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور
بعض باتیں (یعنی بیان) جادو ہوتے ہیں“۔

(منhadīth: 11/451, 452, 515, 516, 539, 546)

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ : ”ان من الشعر حكمة ، وإن من
البيان سحرا“))

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک بعض شعر حکمت و دانائی ہوتے ہیں اور بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔“

(لجم الکبیر للظرفی (مطبوعہ دار الحکایہ التراث العربی) رقم الحدیث: 10345)

سحر کی تاثیر اس قدر مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے اثر ڈالنے والے بیان کو بھی سحر قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے اگر سحر میں قطعاً کوئی اثر ہی نہ پایا جاتا ہو تو کسی موثر چیز کے اثر کو واضح کرنے کے لیے اسے ایک غیر موثر چیز کے مشابہ قرار دینا بالکل ہی غلط بات ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں قاضی عیاضؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

شبَهَهُ بِالسُّحْرِ لِمَيْلِ الْقُلُوبِ إِلَيْهِ وَاصْلِ السُّحْرِ الْصِّرَافَ فَالْبَيَانُ يَصْرِفُ الْقُلُوبَ وَيَمْيلُهَا إِلَىٰ مَا تَدْعُوهُ إِلَيْهِ هَذَا كَلَامُ القاضِي

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے بیان کو جادو کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ بعض بیان بھی جادو کی طرح لوں کو اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ اور جادو کا حقیقی معنی ہے ”پھیر دینا“، پس بیان بھی لوں کو اس طرف پھیر لیتے اور مائل کر لیتے ہیں جس چیز کی طرف انہیں بلا یا جاتا ہے۔“

(شرح صحیح مسلم: 1/286)

امام ابو داؤد سجستانی فرماتے ہیں:

((ان من البیان لسحراً قال کأن المعنی ان یبلغ من بیانه ان یمدح الانسان فیصدق فیه حتیٰ یصرف القلوب إلیٰ قوله ثم یذمه فیصدق فیه حتیٰ یصرف القلوب إلیٰ قوله الآخر فکأنه سحر السامعين بذالک))

”یعنی اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنے بیان میں کسی شخص کی اس طرح کامل طور پر مدح کرے کہ لوگوں کے لوں کو اپنی بات کی طرف پھر لے۔ پھر اس کی اس

طرح کاملیت کے ساتھ مذمت کرے کہ لوگوں کے دل اپنی اس دوسری بات کی طرف پھیر لے گویا کہ اس نے اپنے بیان سے لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔

(سنن ابی داؤد باب ماجاء فی الشرحت حدیث رقمہ: 5001)

امام منذری فرماتے ہیں:

((ای انه تمال به القلوب ويرضى به الساخط ويذل به الصعب))

”یعنی مطلب یہ ہے کہ بعض بیانوں سے دلوں کو مائل کیا جاتا ہے اور ناراض کو راضی کر لیا جاتا ہے اور سخت دل آدمی نرم ہو جاتا ہے۔“

(عون المعبود: 4/460)

امام میدائی فرماتے ہیں:

((وانما شُبَهٌ بالسحر لحدة عمله في سامعه وسرعة قبول القلب له))

”یعنی مؤثر بیان کو جادو کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ بھی جادو کی طرح سامع کے اندر تیزی کے ساتھ عمل کرتا ہے اور دل اسکو جلدی قبول کرتا ہے۔“

(ایضاً)

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

((قال عليه السلام إن من البيان لسحراً لأن من البيان ما يؤثر في النفس فيثيرها أو يسكنها عن ثورانها ويحيلها عن عزماتها))

”یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں،“ کیونکہ بعض بیان انسان کے نفس یعنی دل و دماغ پر اثر کرتے ہیں، پس ان میں جوش کی

کیفیت پیدا کرتے اور بھارتے ہیں یا ان کے جوش کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں، اور ان کو ان کے پختہ ارادوں سے بھی پھیر دیتے ہیں۔“

(الفصل فی الجمل و الہ ہواء و الجل: 5/6)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فَأَشْبَهَ السُّحْرَ الَّذِي يَسْتَمِيلُ الْقُلُوبَ فِيمَنْ هَذَا الْوَجْهُ سُمِّيَ سُحْرًا..... أَنَّ الْمَقْتَدِرَ عَلَى الْبَيَانِ يَكُونُ قَادِرًا عَلَى تَحْسِينِ مَا يَكُونُ قَبِيحاً وَتَقْبِيحاً مَا يَكُونُ حَسَنًا فَذَالِكَ يُشَبِّهُ السُّحْرَ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ))

”یعنی بیان کو جادو کے مشابہ قرار دیا جو دلوں کو مائل کر لیتا ہے، پس اس وجہ سے بیان کو جادو کا نام دیا گیا ہے۔ جو شخص قادر الکلام ہو وہ اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ بد صورت شے کو حسین بنائ کر پیش کرے اور کسی حسین شے کو بد صورت بن کر پیش کرے، پس اس وجہ سے ایسے بیان کو جادو کے ساتھ تشبیہ وی گئی ہے۔“

(مخاتخ الغیب (تفہیر بکیر) زیر تفسیر بقرہ، آیت ۱۰۲)

صاحب عنون المعبود محدث شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:

((يعنى ان بعض البيان كالسحر فى استمتاله القلوب))

”یعنی بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح ہوتے ہیں۔“

(عنون المعبود: 4/459)

علامہ عبدالبدیع صفر لکھتے ہیں:

((فِيهِ اشارةٌ إِلَى أَنَّ بَعْضَ الشِّعْرِ يَفِيدُ الْحِكْمَةَ وَبَعْضَ الْبَيَانِ قَوْيَ التَّأْثِيرِ كَالسُّحْرِ))

”یعنی اس حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض اشعار میں حکمت پائی

جاتی ہے اور بعض بیان جادو کی طرح قوی تاثیر والے ہوتے ہیں۔

(تعیق مختار الحسن وصحیح من الحدیث الشریف: 383)

یہ بھی مسلمہ اصول ہے کہ جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے اس کا وصف یا اثر اتنا مشہور اور مسلم ہو کہ سنتے ہی مخاطب کے ذہن میں اس کا مفہوم واضح ہو جائے۔ یعنی جادو کا موثر ہونا صحابہ کرامؐ کے درمیان اس قدر مشہور و معروف تھا کہ آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک اثر ڈالنے والے بیان کو جادو قرار دیا اور سب نے ہی سمجھ لیا کہ آپؐ ان دونوں کی جادو بیانی کو واضح فرمائے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقیدے کی کمزوری واضح کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿مُثُلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أُولَئِءِ كَمِثْلِ الْعَنْكَبُوتِ﴾

اتخذت بيتاً ﴿41/29﴾

”مثال ان لوگوں کی جنہوں نے بنالیے اللہ کے علاوہ دوسرے مددگار، جیسے مکڑی کی مثال کہ بنایا اس نے ایک گھر۔“

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ اگر مکڑی کے جالے میں کمزوری نہ پائی جاتی ہو تو شرکیہ عقیدے کو مکڑی کے جالے کے ساتھ تشبیہ دینے کا کیا فائدہ ہوگا؟۔ سب سے پہلے تو جالے کی کمزوری ماننا پڑے گی، پھر اس پر قیاس کرتے ہوئے شرکیہ عقیدے کو کمزور تسلیم کیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ مثال میں پہلے سحر کی اثر پڑی ری کا قائل ہونا پڑے گا پھر اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا جائے گا کہ بعض بیان بھی جادو جیسا اثر کرتے ہیں۔ پس حدیث رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہو گیا کہ جادو میں اثر ہوتا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَإِنَّ لِلسَّحْرِ تَأثيرًا فِي الطَّبِيعَةِ وَهِيجَانَ اخْلَاطِهَا وَتَشْوِيشَ
مَزاجِهَا))

”یعنی جادو میں یہ تاثیر بھی پائی جاتی ہے کہ وہ طبیعت میں، اخلاط کے ہیجان میں اور مزاج اخلاط کے اضطراب میں اثر انداز ہوتا ہے۔“

(الطب المبوی لابن القمی: 106)

صاحب ”نبراس“ شرح العقائد کی شرح میں لکھتے ہیں:

((اما الاعتقاد بكون السحر مؤثرا فلا باس به بل هو من معتقدات اهل السنة خلافاً لبعض المعتزلة))

”یعنی جادو کے مؤثر ہونے کا عقیدہ غلط نہیں ہے بلکہ یہ اہل السنۃ کے عقائد میں سے ہے، بعض معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔“

(النبراس شرح شرح العقائد: 290)

مشہور مفسر امام خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومذهب اهل السنة ان له وجوداً وحقيقةً والعمل به كفروذاك اذا اعتقد ان الكواكب مؤثرة في قلب الأعيان وروى عن الشافعى انه قال السحر يخيل ويمرض وقد يقتل حتى اوجب القصاص على من قتله به))

”یعنی اہل السنۃ کا مذهب یہ ہے کہ جادو کا ایک وجود اور حقیقت ہے، اور جادو کرنا کفر ہے جب یہ اعتقاد رکھ کر کیا جائے کہ ستارے اشیاء کے وجود کو تبدیل کر دینے (جیسے مثلاً انسان کو گدھے کی صورت بنادینے) میں مؤثر ہیں۔ اور امام شافعیؓ سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جادو تخيّل میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، بیمار بھی کرتا ہے اور کبھی جادو سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ انہوں نے اس شخص پر قصاص واجب ٹھہرایا ہے جو کسی کو جادو کے ذریعے قتل کرے۔“

(تفیر خازن: 1/74)

تمہوز سے الفاظ کے تغیر کے ساتھ مفسر امام بغوی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اس کے بعد امام خازنؒ اور امام بغویؒ نے اہل السنۃ کے دو قول لکھے ہیں کہ بعض کے نزدیک جادو کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ وہ تخیل پیدا کر دیتا ہے۔ اور اکثر کے نزدیک تخیل سے لیکر قتل تک موثر تسلیم کرتے ہیں۔ امام خازنؒ فرماتے ہیں:

((والاَصْحَاحُ اَنَّ السَّحْرَ يَخْيِلُ وَيُؤْثِرُ فِي الْأَبْدَانِ بِالْأَمْرَاءِ
وَالْجَنُونِ وَالْمَوْتِ))

”یعنی زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جادو تخیل، امراض، جنون اور موت واقع ہونے میں اثر کرتا ہے۔“

امام بغویؒ فرماتے ہیں:

((والاَصْحَاحُ اَنَّ ذَالِكَ تَخْيِيلٌ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يُخَيِّلُ إِلَيْهِ مِنْ
سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعَىٰ لِكُنْهٖ يُؤْثِرُ فِي الْأَبْدَانِ بِالْأَمْرَاءِ وَالْمَوْتِ
وَالْجَنُونِ))

”یعنی صحیح ترین قول یہ ہے کہ جادو تخیل میں تبدیلی پیدا کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”تَخْيِيلٌ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعَىٰ“، لیکن جادو میں بدنبی یکاریاں، جنون اور موت واقع کرنے کا اثر بھی ہے۔“

(خازن و بهامش معالم للبغوی: 1/75)

خفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ جادو کے ذریعے کسی کا (باذن اللہ) یکاری میں بتلا ہونا اور مر جانا بھی ممکن ہے:-

((وَالسَّحْرُ هُوَ اسْتِعْمَالُ اسْبَابٍ غَيْرِ مُشْرُوعَةٍ ذَاتٍ خَاصَيَّةٍ فِي
الْإِضْرَارِ بِلَا حَقٍّ كَتْمَرِيسٍ أَوْ هَلَالِكَ أَوْ تَفْرِيقٍ بَيْنَ زَوْجَيْنِ وَلَا
يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْأَنْفُسُ شَرِيرَةٌ لَّيْسَ فِيهَا صَلَاحٌ))

”یعنی جادو غیر مشروع اور ناحق نقصان پہنچانے کی خاصیت رکھنے والے جیسے بیمار کرنے یا ہلاک کرنے یا زوجین کے درمیان جدائی ڈالنے والے اسباب کو استعمال کرنے کا نام ہے۔ اور جادو وہی کر سکتا ہے جس کا نفس شریر ہو جس میں نیکی اور اچھائی نہ ہو۔“

(النهر اس مع شرح العقامہ: 223)

قاتل جادوگر کی سزا کے بارے میں حنفیہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ((والمحترار عند الحنفية ان الساحر اذا قتل فهو كقطاع
 الطريق يقتل عليه الذكور والإناث))

”یعنی حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ جادوگر جب کسی کو (جادو کے ذریعے) قتل کر دے تو وہ راہزن کی مثل ہے، قتل کے بد لے میں اسے قتل کیا جائے گا خواہ مرد جادوگر ہو یا عورت جادوگر فی۔“ (ایضاً)

شرح عقیدۃ طحاویہ میں حقیقت سحر کے بارے میں لکھا ہے:
 ((وقد تنازع العلماء فی حقيقة السحر وانواعه: والأکثرون
 يقولون انه قدیؤثر فی موت المسحور ومرضه من غير
 وصولٍ شئی ظاهر اليه وزعم بعضهم أنه مجرد تخیل))
 ”یعنی علماء نے جادو کی حقیقت اور اسکی اقسام میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر اس بات کے قائل ہیں کہ جادو سے بیماری اور کوئی ظاہری چیز مسحور تک پہنچائے بغیر جادو سے مسحور کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ جادو صرف تخیل میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔“

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ: 569)

ثابت ہوا کہ اہل السنۃ کے درمیان جادو کے اثر کی مقدار و کیفیت میں تو اختلاف ہے مگر

جادو کے (باذن اللہ) موثر ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ سب کے سب جادو کے اثر کے قائل ہیں اور اسکی دلیل وہ کتاب و سنت سے لیتے ہیں۔

علامہ حافظ ابوالبرکات نقی آیت (وَمِنْ شَرِ النُّفُثَةِ فِي الْعَدْ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((وَهُوَ دَلِيلٌ عَلٰى بَطْلَانِ قَوْلِ الْمُعْتَزِلَةِ فِي انْكَارِ تَحْقِيقِ السُّحْرِ وَظَهُورِ اثْرِهِ))

”یعنی معتزلہ نے جو جادو کی حقیقت اور اسکے اثر کے ظاہر ہونے کا انکار کیا ہے، یہ آیت ان کے اس قول کے باطل ہونے پر دلیل ہے۔“

(مدارک التغییر و تحقیقات التاویل: زیر تفسیر سورت الفلق آیت نمبر ۲)

علامہ بربان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فَإِنَّ السُّحْرَ يَؤْثِرُ بِأَذْنَنَ اللَّهِ تَعَالَى الْمَرْضَ وَيَصْلِي إِلَى أَنْ يُقْتَلُ))

”یعنی بے شک جادو باذن اللہ اثر رکھتا ہے، جس سے یہاں بھی پیدا ہو سکتی ہے اور قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔“

(نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور: 10/70 سورت الفلق)

علامہ سید طنطاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((جَمِيعُهُمْ عَلٰى اثْبَاتِهِ وَأَنَّ لَهُ آثارًا حَقِيقِيَّةً وَأَنَّ السَّاحِرَ قَدْ يَأْتِي بِأَشْيَاءَ غَيْرِ عَادِيَةٍ إِلَّا أَنَّ الْفَاعِلَ الْحَقِيقِيَّ فِي كُلِّ ذَالِكَ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى))

”یعنی جمیع اہل السنۃ کا مذهب یہ ہے کہ جادو ثابت ہے، اور اسکے حقیقی اثرات ہوتے ہیں، اور جادو گر کبھی خرق عادت کام سرانجام دیتا ہے۔ البتہ ان تمام

کاموں کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (الغیر الوسیط: زیر تفسیر سورت الفلق)

علامہ عبدالرحمن بن ناصر بن السعدؓ لکھتے ہیں:

((دلت علیٰ أن السحر له حقيقة يُخشى من ضرره ويُستعاذه
بالله منه ومن أهله))

”یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جادو کی حقیقت ہے اور اسکے ضرر سے خوف کھایا جاتا ہے اور جادو اور جادوگروں سے اللہ کی پناہ مانگی جاتی ہے۔“

(تفسیر السعدی: 1/937 مطبوعہ مؤسسة الرسالة)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ولَا يُنَكِّرُ أَنَّ السَّحْرَ لَهُ تَأْثِيرٌ فِي الْقُلُوبِ بِالْحُبِّ وَالْبَغْضِ
وَبِاللَّقَاءِ الشَّرُورِ حَتَّىٰ يُفَرِّقَ السَّاحِرُ بَيْنَ الْمَرْءَ وَزَوْجِهِ وَكُلُّ
ذَالِكَ مُدْرَكٌ بِالْمَشَاهِدَةِ وَإِنْكَارِهِ مَعَانِدَةً))

”یعنی اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جادو میں دل کے اندر محبت اور عداوت پیدا کرنے کی تاثیر ہوتی ہے، اور جادو دلوں میں مفاسد اور شر بھی پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جادوگر خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی بھی ڈال دیتا ہے۔ اور یہ سب اثرات مشاہدے میں آپکے ہیں، اس کا انکار ضرداً اور عناد ہے۔“

(تفسیر القرطبی: 2/55)

ثابت ہوا کہ جمہور اہل السنۃ کے نزدیک جادو کی ایک حقیقت ہے اور اس میں باذن اللہ اثر پایا جاتا ہے۔

چند شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جادو تو من دون اللہ ہے، اگر جادو میں اثر مان لیا جائے تو اس کا

مطلوب ہوا کہ من دون اللہ میں بھی نفع و نقصان پہنچانے کا اثر ہے لہذا یہ شرک ہے۔

ازالہ

یہ اعتراض دراصل وہ لوگ کرتے ہیں جو کہلاتے تو ”موحد“ ہیں مگر عقل کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹر ہوتے ہیں۔ کسی چیز میں باذن اللہ اثر تسلیم کرنا قطعاً شرک نہیں ہے، کائنات میں موجود ہر چیز اللہ کے مساوا یعنی ”من دون اللہ“ ہے اور انہی چیزوں میں سے بعض اشیاء انسانوں کو نفع دیتی ہیں اور بعض نقصان پہنچاتی ہیں۔ مگر ان کی طرف نفع و نقصان کی نسبت حقیقی نہیں ہوتی بلکہ مجازی ہوتی ہے کیونکہ حقیقی طور پر نفع و نقصان پہنچانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یہ چیزیں چونکہ نفع و نقصان پہنچانے کا سبب بنتی ہیں اس لیے مجازی طور پر ان کو نافع یا ضار سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح علم کو مفید اور چہالت کو مضر سمجھنے سے شرک لازم نہیں آتا، اسی طرح شیطان یا جادو کو مضر سمجھنے سے بھی شرک لازم نہیں آتا۔

ذراسوچیے کہ ہر قسم کا اسلحہ گولا بارود، تمام جڑی بوئیاں اور دوائیاں بھی من دون اللہ ہی ہیں مگر ان کے موثر ہونے کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ کیا ریوالور کی گولی اور زہر کا انجیکشن (injection) انسانی وجود پر کوئی اثر نہیں ڈالتے؟ حکماء و اطباء نے تجربات کے بعد ایک ایک جڑی بوئی کے خواص اور تاثیر پر ہزاروں کتابیں لکھی ہیں جو آج بھی پوری دنیا میں پڑھی و پڑھائی جا رہی ہیں، کیا ان میں اثر مان لینے سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا اور یقیناً نہیں ہوتا تو پھر سحر میں باذن اللہ اثر مان لینے سے کس دلیل کی بنا پر مشرک کہلاتے گا؟ جس طرح زہر کی پڑیا اور ریوالور کی گولی اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کے تحت یعنی باذن اللہ اثر کرتی ہے، بالکل اسی طرح سحر بھی اللہ کے نظامِ قدرت کے تحت ہی اثر کرتا ہے۔

جب کوئی بیمار شخص علاج کرانا چاہے تو کسی حاذق طبیب یا حکیم کی تلاش چ جتو کیوں کرتا ہے؟ اسی وجہ سے نا! کہ بیماری کی تشخیص اور دوائیوں کی تاثیر سمجھنے میں مہارت رکھنے والے

شخص سے بیماری کا علاج کروائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لکل داء دواء ، فإذا أصيَّبَ دواءُ الداءَ بَرَأَهُ باذن الله))

”یعنی ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی دوائے ہے، جب بیماری کی دوا کی جاتی ہے تو آدمی باذن اللہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔“

(صحیح مسلم: 2/225۔ شرح معانی الآثار للطحاوی: 4/145)

ثابت ہوا کہ من دون اللہ میں باذن اللہ لفظ پہنچانے کی تاثیر ہوتی ہے اور کسی چیز کو باذن اللہ نافع یا ضار سمجھنا قطعاً شرک نہیں ہے۔

دوسرًا شبہ

جادو خرافات اور باطل اور کفر و شرک ہے، کیا کفر و شرک بھی باذن اللہ اثر کرتا ہے؟ اس کا مطلب ہوا کہ کفر و شرک پر بھی اللہ کا اذن ہوتا ہے۔

(توحید یا جادو ص 4)

ازالہ

جب کافر و شرک کا حملہ باذن اللہ موثر ہو سکتا ہے تو جادوگر کا حملہ باذن اللہ کیوں نہیں ہو سکتا؟۔ کیا کافر و شرک کے حملے سے آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید نہیں ہوئے؟ کیا کافر کے حملے سے آپ زخمی نہیں ہوئے؟ کیا آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید کرنے والے آپ ﷺ کو زخمی کرنے والے کافر و شرک یہ سب حملے کافر و شرک کی حمایت میں نہیں کر رہے تھے؟ تو پھر یہ حملے بے اثر کیوں نہ ہوئے اور ان کا اثر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ پر کیوں ہوا؟۔ جس طرح کفار و شرکیین کے حملے اور ان کا اثر باذن اللہ تھا، اسی طرح جادوگر کا حملہ اور اس کا اثر بھی باذن اللہ تھا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((واما التاثیر الكونی قد يقع من کافر ومنافق وفاجر تأثیره فی

نفسه وفی غيره كالاحوال الفاسدة والعين والسحر))

”یعنی تاثیر کونی (وہ تاثیر جو اللہ کے ارادہ کونی سے ظاہر ہو) کبھی کافر، منافق اور فاجر آدمی سے بھی واقع ہوتی ہے، اسکے اپنے نفس میں یا کسی دوسرے کے وجود میں۔ جیسا کہ فاسد احوال، نظر بد اور جادو کی تاثیر۔“

(جامع الرسائل جزء خامس، قاعدة شریفہ فی المجزوات والکرامات فصل ثانی)

تمام اہل السنة کا اجماعی عقیدہ ہے کہ خیر و شر اور بھلائی و برائی سب اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ خیر کا اثر ہو یا شر کا، باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((قال أتعبدون ما تنتحتون ۝ وانه خلقكم وما تعملون))

”فرمایا کیا تم ان کو پوچھتے ہو جن کو تم تراستے ہو۔ اور اللہ نے بنایا تمہیں اور جو تم عمل کرتے ہو۔“ (95,96/37)

یعنی خیر و شر والے دونوں قسم کے اعمال کا خالق اللہ ہے۔ ظاہر ہے جب شیطان کا خالق اللہ ہے تو شر کا خالق بھی وہی ہوا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَتَؤْمِنُ بِالْفَرَقَةِ النَّاجِيَةِ مِنْ أَهْلِ السَّنَةِ وَالْجَمَاعَةِ بِالْقَدْرِ خَيْرٍ وَشَرِّهِ))

”یعنی فرقہ ناجیہ اہل السنة والجماعۃ، خیر اور شر (دونوں قسم) کی تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔“

(العقيدة الواسطية: 151)

جدید منکرین حدیث کے پندیدہ مصنف علامہ لقتاز اُٹی لکھتے ہیں:

((وَاللَّهُ تَعَالَى خَالقُ افْعَالِ الْعِبَادِ كَلْهَامِنَ الْكُفُرِ وَالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ وَالْعَصِيَّانِ لَا كَمَا زَعَمَتِ الْمُعْتَزَلَةُ إِنَّ الْعَبْدَ خَالقُ

لأفعاله))

”بندوں کے تمام افعال، کفر، ایمان، اطاعت اور نافرمانی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، معزز لہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خاتم ہے۔“

(شرح عقائد نفعی الكلام فی خلق الأفعال)

اسی طرح شرح لمحة الاعتقاد میں ہے:

((ان كل شئی فی السموات والأرض مخلوق الله تعالیٰ لا خالق غیره ولا رب سواه لقوله تعالیٰ :﴿وَخُلِقَ كُلُّ شَيْءٍ بِقُدْرَةِ رَبِّهِ﴾ وَقَالَ عَلَى لِسَانِ إِبْرَاهِيمَ :﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ افعال العباد كلها من طاعات ومعاصي كلها مخلوقة لله))

”یعنی جو کچھ بھی زمین اور آسمانوں میں ہے، سب اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ اسکے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی رب، اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: ”اور پیدا کیا اس نے ہر چیز کو پھر اس کی تقدیر بنائی“ اور ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اعلان فرمایا کہ: ”اور اللہ نے ہی تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔“ بندوں کے تمام افعال، اطاعات ہوں یا معاصی سب کے سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔“

(شرح لمحة الاعتقاد البهادی الى سبیل الرشاد لابلام موفق الدین ابن قدمة المقدسي بقلم الشیخ محمد صالح العثيمین ص: 53 مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت)

لہذا نفع ہو یا نقصان (اکے اسباب چاہے کچھ بھی ہوں) باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ”عقیدہ واسطیہ للام ابن تیمیۃ“ کے شارح لکھتے ہیں:

((فالعبد هو الذى يُوصَف بفعله فهو المؤمن والكافر والبر والفاجر والمصلى والصائم ، والله خالقه وخالق فعله لأنَّه

هو الذى خلق فيه القدرة والارادة اللتين بهما يفعل ()

”پس بندہ ہی اپنے فعل کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے، پس بندہ مومن بھی ہوتا ہے اور کافر بھی، نیک بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اور نمازی اور روزہ دار بھی، اللہ تعالیٰ اس کا بھی خالق ہے اور اسکے افعال کا بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی بندے میں طاقت اور ارادہ پیدا کیا ہے جس کے ذریعے وہ افعال سرانجام دیتا ہے۔“

(شرح العقيدة الواسطية: 157 مطبوعہ الرئاسۃ العلامة لادارت البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد الربیاض۔

سعودی عرب)

ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین اور جادوگروں کی تمام حرکات و افعال بھی اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں کیونکہ ان کاموں کا ارادہ و طاقت اللہ کی ہی دی ہوئی ہے۔ البتہ فاعلی حیثیت کے لحاظ سے چونکہ بندہ ان حرکات کا موجود و فاعل ہوتا ہے اس وجہ سے اطاعت کے کاموں میں منعم علیہ اور نافرمانی کے کاموں میں معدّ ب گردانا جاتا ہے۔ اگر اللہ کی مشیت کو نیہ و حکمت بالغہ کا تقاضا ہی ہو کہ مشرک یا جادوگر کی طرف سے نقصان پہنچنا چاہیے تو پہنچتا ہے ورنہ نہیں پہنچتا، اسی کا نام ”بازن اللہ“ نقصان کا پہنچنا ہے۔

امام ضیاء الدین ابو الحسن شیعث بن ابراہیم اہل السنۃ کا عقیدہ ان الفاظ کے ساتھ لکھتے ہیں:

((ولا يجري في ملكه وملكته خيرٌ أو شرٌ نفعٌ أو ضرُّ فوزٌ أو خسرٌ حياثٌ أو موتٌ إيمانٌ أو كفرٌ الا بارادته ومشيئته

وعلمه وقدرته فيما شاء كان ومالم يشاء لم يكن))

”یعنی اللہ کی بادشاہی اور سلطنت میں خیر یا شر، نفع یا نقصان، کامیابی یا ناکامی، زندگی یا موت اور ایمان یا کفر، فقط اللہ ہی کے ارادے، مشیت، علم اور قدرت سے ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔“

(جز الغلاصم فی افای المخاصم: 1/17)

اسی طرح اشیخ محمد بن عبد الرحمن الحنفیس لکھتے ہیں:

((مذهب اهل السنة والجماعۃ أن الخیر والشر کلاهما مخلوقان مقدوران لله))

”یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا مذهب یہ ہے کہ خیر اور شر دونوں اللہ کی مخلوق اور اسی کی تقدیر میں سے ہیں۔“

(اعقاد اہل السنۃ شرح اصحاب الحدیث باب الخیر والشر بقضاء اللہ وقدرہ: 1/45)

ثابت ہوا کہ مشرک کا حملہ ہوتا جادوگر کا جادو، اللہ کی مشیخت اور ارادے سے کارگر ہوتا ہے، اگر اللہ کا ارادہ نہ ہو تو کسی قسم کا شر یعنی نقصان کسی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

بازن اللہ اثر کا مطلب

تیسرا شبہ:

ہمیشہ سے مشرکین کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ من دون اللہ اپنی ذاتی طاقت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیار و اذن سے نافع و ضار ہیں۔ جادو بھی من دون اللہ ہے اگر اسے بھی باذن اللہ نافع و ضار سمجھ لیا جائے تو یہ شرک ہے۔ (توحید یا جادو ۴)

ازالہ:

نجانے کس ”عقلمند“ نے ان لوگوں کو سمجھا رکھا ہے کہ جادو میں باذن اللہ اثر مانے کا مطلب یہ ہے کہ ”جادوگر کو اللہ نے نفع و نقصان کا اختیار دے رکھا ہے؟“ ”بازن اللہ“ کا معنی ”کسی کو اختیار دینا“ نہیں ہے اور نہ ہی جادو میں باذن اللہ تاثیر کے پائے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے جادوگر کو جادو میں اثر پیدا کرنے کا ”اختیار“ دے رکھا ہے۔ کیا یہ ”محققین“ اتنا بھی نہیں سمجھ رہے کہ ”بازن اللہ“ کے الفاظ بذاتِ خود مخلوق کے

”اختیار“ کی نفی کر رہے ہیں؟۔ عیسیٰ علیہ السلام جو باذن اللہ مردوں کو زندہ کرتے، کوڑھی کو اچھا کرتے اور مٹی سے پرنہ بنا کر اڑاتے تھے، تو کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سب کاموں کا ”اختیار“ دے رکھا تھا یا یہ سب کام اللہ کے اختیار سے ہوتے تھے؟۔

شاید ان لوگوں نے ”من دون اللہ“ کے الفاظ کو بھی شرک سمجھ لیا ہے۔ باذن اللہ نافع و ضار سمجھتے ہوئے کسی چیز کی پوجا کرنا تو واقعی شرک ہے لیکن کسی چیز کے اندر باذن اللہ نفع و نقصان کی تاثیر تسلیم کرنا قطعاً شرک نہیں ہے۔ مثلاً آگ باذن اللہ نافع بھی ہے اور ضار بھی مگر نفع و نقصان پہنچانے کی اس صفت کی بنا پر آگ کی پوجا کرنا یقیناً شرک ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا کہ آگ اللہ کی مشیخت واذن سے نفع بھی دیتی ہے اور نقصان بھی، قطعاً شرک نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آگ کے اندر جلانے کی جو تاثیر اللہ نے رکھی ہے وہ بھی باذن اللہ ہی اثر کرتی ہے، اگر اللہ سمجھانے کی مشیخت وارادہ نہ ہو تو آگ کی جلانے والی تاثیر بھی سلب ہو جاتی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کی یہ تاثیر ختم کر دی گئی تھی۔

منکرین کے پسندیدہ مصنف سید قطب ”وما هم بضارین به من احد الا باذن الله“ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فِبَذْنِ اللَّهِ تَفْعُلُ الْأَسْبَابُ فَعْلَهَا وَتُنْشَئِي آثَارَهَا وَتُحَقِّقُ نَتَائِجَهَا..... وَاقْرَبُ مَا يَمْثُلُ هَذِهِ الْقَاعِدَةِ فِي مَثَلِ هَذِهِ الْمَقَامِ، أَنْكَ إِذَا عَرَضْتَ يَدَكَ لِلنَّارِ فَإِنَّهَا تُحْرَقُ ، وَلَكِنَّ هَذَا الْاحْرَاقُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِذَنِ اللَّهِ - فَاللَّهُ هُوَ الَّذِي أَوَدَّ النَّارَ خَاصِيَّةَ الْحَرَقِ وَأَوَدَّ يَدَكَ خَاصِيَّةَ الْاحْرَاقِ بِهَا ، وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُوقَفَ هَذِهِ الْخَاصِيَّةِ حِينَ لَا يَأْذُنُ لِحِكْمَةٍ خَاصَّةٍ بِرِيدَهَا كَمَا وَقَعَ لِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، وَكَذَلِكَ هَذَا السُّحْرُ الَّذِي يُفْرَقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءَ وَزَوْجِهِ، يُنْشِئُ هَذَا الْأَثْرَ بِذَنِ

الله، وهو قادر على أن يوقف هذه الخاصية فيه حين لا يأذن لحكمة خاصةٍ يريدها))

”یعنی اللہ کے اذن سے اسباب اپنا فعل سرانجام دیتے، اپنے آثار پیدا کرتے اور اپنے نتائج ثابت کرتے ہیں۔ اس مقام پر اس قاعدے کے سمجھانے کیلئے جو قریب ترین مثال دی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ: ”جب اپنا ہاتھ آگ میں ڈالے تو وہ جل جاتا ہے لیکن ہاتھ کا یہ جلنا اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہی آگ میں جلانے کی خاصیت اور تیرے ہاتھ میں جلنے کی خاصیت رکھی ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنی کسی حکمت خاصہ کی وجہ سے اس خاصیت کو روک لے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ خاصیت روک دی گئی۔ اسی طرح یہ جادو ہے جس کے ذریعے وہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے، جادو میں یہ اثر اللہ کے اذن سے پیدا ہوتا ہے اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنی کسی حکمت مخصوصہ کی وجہ سے اس اثر کو روک لے۔“

(فی غلال القرآن: 1/69)

سید قطب نے جادو کے اثر کو آگ کے اثر کے ساتھ تشبیہ دے کر واضح کر دیا کہ جس طرح آگ میں جلانے کی خاصیت رکھی گئی ہے اسی طرح جادو میں بھی نقصان پہنچانے کی تاثیر پائی جاتی ہے۔ البتہ ان دونوں کی تاثیر اللہ کے اذن سے ہی اثر کرتی ہے، اگر اللہ سبحانہ اپنی کسی حکمت خاصہ کی بنابر ان کی تاثیر روک لے تو وہ اس بات پر قادر ہے۔

اسی طرح پانی کی مثال لے لیجیے! اگر ضرورت سے زائد سیالب کی شکل میں آئے تو نقصان دہ ہے اور اگر ضرورت کے مطابق ہو تو فائدہ مند ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ انزل من السماء ماءً فسالت اوديبة بقدرها فاحتمل السيل زبداً رابياً الى قوله تعالى فاما الزبد فيذهب جفاءً واما ما ينفع ﴾

الناس فيمكث في الأرض ط ﴿17﴾ (رعد: 13/17)

”اتارا اس نے آسمان سے پانی پھر بننے لگے تا لے اپنی اپنی گنجائش کے موافق پھر اوپر لے آیا وہ سیلا ب جھاگ پھولا ہوا، پس وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سو کہ کراور وہ جونفع دیتا ہے لوگوں کو سواباتی رہتا ہے زمین میں۔“

ہتا یئے! کیا پانی (جو کہ من دون اللہ ہے) کو نافع سمجھنا شرک ہے؟۔ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں لوگوں کو معاذ اللہ شرک کی تعلیم دی ہے؟۔

جدید منکرین حديث کی ”توحید“ بھی عجیب ہے یہ لوگ قدیم معتزلہ اور یونانی افکار و نظریات سے اس قدر مروع ہو چکے ہیں کہ عقل پرستی کی دوڑ میں وحی الہی میں بھی تحریف کرنے سے باذن نہیں آتے۔ سمجھ لینا چاہیے کہ انسان بھی ماتحت الأسباب نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے مگر یہ نفع و نقصان بھی باذن اللہ ہی ہوتا ہے، مثال کے طور پر قرآن مقدس کے درج ذیل مقامات دیکھیے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ إِنْ تَمُوتُ إِلَّا بِأَذْنِ اللَّهِ كَتَابًا مُؤْجَلاً ط﴾

(آل عمران: 3/145)

”اور کوئی مرنہیں سکتا اللہ کے اذن کے بغیر، لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر“

یعنی اپنے وقت مقررہ سے پہلے اور اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نہیں مرن سکتا، جس کو بھی موت آتی ہے اللہ کی طرف سے ہی آتی ہے مگر دوسری طرف قرآن مقدس میں ہی ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَقْتَلُ مُؤْمِنًا مَتَعْمِدًا فَجزاءُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾

(نساء: 4/93)

”اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے، پڑا رہے گا اس میں۔“

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ جب کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر مر ہی نہیں سکتا تو کوئی کسی کو

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

کس طرح مار سکتا ہے؟ اگر کوئی کسی کو نہیں مار سکتا تو قاتل کو قتل کی سزا کیوں سنائی جا رہی ہے؟ قاتل کو سزا اس لیے دی جا رہی ہے کہ وہ ایک انسان کو مارنے کا سبب بنا، باقی رہا اس مقتول کا مر جانا تو وہ باذن اللہ مرالیعنی اس کی تقدیر یہی تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا بلکہ باذن اللہ کا مطلب ہے کہ کسی نفس کو جب بھی موت آتی ہے اللہ کی مشیخت اور ارادہ سے ہی آتی ہے اس کی موت کا سبب کوئی انسان ہو یا کوئی اور چیز۔ ثابت ہوا کہ ماتحت الأسباب انسان بھی باذن اللہ نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔

یہ تو تھی نقصان پہنچانے کی مثال، اب نفع پہنچانے کی مثال پیش خدمت ہے: سیدنا جابر

بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لدغت رجلاً منا عقرب ونحن جلوس مع رسول الله
ﷺ فقال رجل يا رسول الله ارقى قال من استطاع منكم ان
ينفع اخاه فليفعل))

”یعنی ہم میں سے ایک شخص کو بچھونے دس لیا، اس وقت ہم رسول اللہ ﷺ میں دم کر لیتا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں دم کر لیتا ہوں، آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے اسے چاہیے کہ وہ اسے نفع پہنچائے۔“

(صحیح مسلم: 2/223۔ طحاوی: 4/152)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کوئی انسان دم کے ذریعے کسی دوسرے کو نفع پہنچا سکتا ہے مگر یاد رہے کہ یہ نفع بھی باذن اللہ پہنچتا ہے، اپنے اختیار سے کوئی کسی کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا۔ جس طرح آگ، پانی، زہر، آل قتل اور دم (جو کہ مدن دون اللہ ہیں) سے باذن اللہ نفع یا نقصان کا پہنچنا ثابت ہے بالکل اسی طرح جادو بھی نقصان پہنچانے کا ایک سبب ہے اور اس سے نقصان بھی باذن اللہ پہنچتا ہے۔ جادو گر کو اللہ سبحانہ نے نفع و نقصان کا کوئی اختیار قطعاً نہیں

دے رکھا، اللہ کی مشیخت وارادہ ہو تو جادو سے نقصان پہنچتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ جادوگر جب چاہے کسی کو نقصان پہنچا دے کیونکہ جادو موثر حقیقی نہیں ہے۔ یہ بات تسلیم کر لینے سے نہ شرک لازم آتا ہے اور نہ ہی اس سے من دون اللہ کی پرستش ہوتی ہے۔ یہ صرف جدید معتزلہ کی ڈھنی کج روی ہے جس نے ایک سید ہے سادے مسئلے کو الجھا کر عوام الناس کو احادیث رسول اللہ ﷺ سے تنفر کرنے کی مہم شروع کی ہوئی ہے۔ قاتلہم اللہ انی یو فکون

چوتھا شبہ:

کیا شیطانوں کے خرافات و کفر و باطل و شیطانی کام کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے۔

(توحید یا جادو ص 8)

وفعیہ:

شاید ان حضرات نے باذن اللہ کا معنی ”اللہ کی مدد“ سمجھا ہوا ہے۔ یہ ٹھوکر انہیں اس وجہ سے گلی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن (یعنی قضاء، ارادہ، مشیخت) اور رضا و محبت میں فرق نہیں سمجھا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے ارادہ و مشیخت کا مطلب ہے اللہ کی رضا اور محبت حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ کا اذن یا ارادہ و مشیخت دو قسم کا ہے: (۱) ارادہ شرعیہ (۲) ارادہ کونیہ۔ ارادہ یا اذن شرعیہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے، اور ارادہ کونیہ میں کسی کام پر اللہ کی مدد کا شامل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

اللہ سبحانہ کے ارادہ و شرعیہ کی مثال

مثال کے طور پر ارادہ شرعیہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (یونس: 100)

”اور کسی نفس کو اختیار نہیں کہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لے آئے۔“

چونکہ کسی شخص کا ایمان لے آنا اللہ سبحانہ کے ارادہ عشریعہ کے تحت ہے لہذا اس مقام پر باذن اللہ کا معنی ”نصرۃ اللہ“ یا ”باعاتِ اللہ“ کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی کوئی شخص اللہ کی اعانت و مدد کے بغیر ایمان نہیں لے سکتا۔

ارادہ عکونیہ کی مثال

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتُ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَابًاً مُّؤَجَّلًا﴾

(آل عمران: 3/145)

”او کوئی نفس نہیں مر سکتا اللہ کے اذن کے بغیر، لکھا ہوا ہے وقت مقرر“۔
یعنی کوئی بھی انسان خواہ موسن ہو یا کافر، اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے جان بوجھ کرنا حق ایک موسن کو قتل کر دیا تو آیا یہ موت باذن اللہ واقع ہوئی ہے یا وہ اللہ کے اذن کے بغیر مر گیا ہے؟ اگر کہیں کہ قتل ہونے والا شخص اللہ کے اذن کے بغیر مر گیا ہے تو یہ درج بالا آیت کا صریح انکار ہو گا، اور اگر کہیں کہ قتل ہونے والا شخص باذن اللہ مرا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاتل کا یہ فعل (یعنی ناحق قتل کرنا) باذن اللہ ہے۔ اب مفترض کی سمجھدائی کے مطابق اس کا صاف مطلب یہ نکلے گا کہ ناحق قتل کرنے پر اللہ نے قاتل کی مدد کی ہے۔ حالانکہ ایسے قاتل کے بارے اللہ سبحانہ فرماتے ہیں:

﴿فِي جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا غَضْبُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ اللَّهِ وَأَعَدَ اللَّهُ عَذَابًا لَّهُ عَذَابًا الْيَمَنًا﴾ (نساء: 4/93)

”پس اس کی سزا جہنم ہے پڑا رہے گا اس میں، اور اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے تیار کیا بڑا عذاب“

یعنی موسن کو ظلمًا قتل کرنا ایک مغضوب علیہ، یعنی اور جہنمی کام ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے کاموں پر مدد نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ ظلم پر ظالم کی مدد کرنا بھی ظلم ہے اور اپنے بندوں پر ظلم کرنا اسکی

شان کے لائن نہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾ (یونس: 10/44)

”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برا بر ظلم نہیں کرتا۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾

(آل عمران: 3/182، انفال: 8/51، حج: 22/10)

”اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔“

یعنی اگر بفرض حال ظلم کرنا بھی اللہ کی صفت ہوتی تو اسکی دوسری صفات کی طرح وہ بھی کامل ہی ہوتی اس لیے اگر معاذ اللہ اللہ کو ظالم فرض کیا جائے تو پھر ”ظالم“ کی بجائے ”ظلام“ ہی کہنا پڑے گا۔ کیونکہ اس کا ایک رتی ظلم بھی پہاڑوں سے کم نہیں ہو سکتا۔ یعنی مبالغہ کا صینہ (ظلام) لا کر متنبہ کر دیا کہ اس کی بارگاہ میں ادنی سا ظالم تجویز کرنا، انتہائی ظالم قرار دینے کے متراود ہے و تعالیٰ اللہ عنما یقول ظالموں علوٰ کبیرا۔

ثابت ہوا کہ کسی مومن کو ظلم کرنے پر اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہوتی، اس قسم کے کاموں پر اکساهٹ اور ابھار تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے البتہ اگر اللہ کا ارادہ اور قضاء بھی یہی ہو تو قتل ہونے والا مر جاتا ہے اور اگر اللہ کی قضاء کا فیصلہ نہ ہو تو موت کے منہ میں جانے والا بھی حیات نو کی نوید پا لیتا ہے۔

ارادہ کونیہ کی دوسری مثال

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقَىِ الْجَمِيعَنِ فِيذِنِ اللَّهِ﴾

(آل عمران: 3/166)

”اور جو کچھ تم کو پیش آیا جس دن مذبحیز ہوئی دو فوجوں کی، پس اللہ کے اذن

سے۔

اس سے جنگ احمد مراد ہے، اللہ سبحانہ فرمائے ہیں کہ جنگ احمد کے موقع پر تمہیں جو وقت ہزیت ہوئی اور جو نقصان پہنچا وہ اللہ کے اذن سے ہوا تھا۔ یہاں ”اذن“ سے ”ارادہ وقضاء“ کی طرف اشارہ ہے یعنی احمد میں جو وقت شکست ہوئی تھی، اس کے بارے میں اللہ کا ارادہ اور فیصلہ یہی تھا کہ وہ واقع ہو کیونکہ اس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ اگر یہاں باذن اللہ کا معنی ”اللہ کی مدد“ کیا جائے تو اس کا مطلب ہو گا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور اسکی فوج کے خلاف مشرکین و کفار کی مدد فرمائے۔ مسلمانوں کو شکست اور نقصان سے دوچار کر دیا تھا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ کا اعلان ہے کہ:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْاَشْهَادُ﴾ (مومن: 51/40)

”هم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی، دنیا کی زندگی میں اور جب کھڑے ہو نگے گواہ۔“

ثابت ہوا کہ درج بالا آیت میں بھی باذن اللہ سے مراد ”مدد کرنا“ نہیں بلکہ ”ارادہ وقضاء“ مراد ہے۔ بالکل یہی مفہوم درج ذیل آیت کا بھی ہے:

﴿وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِأَذْنِ اللَّهِ﴾

”اور وہ نہیں ہیں کسی کو جادو کے ذریعے نقصان پہنچانے والے اللہ کے اذن کے بغیر“

یعنی نقصان پہنچانے کا عمل تو جادوگر اور شیاطین کی طرف سے ہوتا ہے البتہ اگر اللہ کی مشیت اور ارادہ بھی یہی ہو کہ نقصان پہنچانا چاہیے تو پہنچ جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اور کبھی تو جادو کرنے والے کا ارادہ ہلاک کرنے کا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے معمولی سی تکلیف پہنچاتے ہیں اور شیطانی ارادے کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ بہر حال یہ بات قطعی طور پر ثابت

ہو گئی کہ ”بازن اللہ“، کامعنی علی الاطلاق ”اللہ کی مدد“ نہیں ہے۔

پانچواں شبہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پرندوں کو اڑانا، خطوط کھینچنا، فال لینا، علم نجوم اور گردہ دھاگا گا وغیرہ بھی جادو کی فرمیں ہیں۔ کیا جادو کے ان اقسام سے بھی آدمی یہاں ہو جاتا ہے یا ان سے بھی نظر بندی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ؟

(توحید یا جادو میں 10)

ازالہ:

شریعت میں جن آثار کی خبر دی گئی ہے بس انہی کو تسلیم کرنا ہر منیب مسلمان کیلے ضروری ہے، رہا پرندوں یا لکیروں یا علم نجوم کے ذریعے غیب کی خبر دینا تو جس قدر شیاطین کو معلومات ہوتی ہیں بس اتنی ہی معلومات وہ اپنے پچاریوں تک پہنچاسکتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْ مَنْ اسْتَرْقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مَبِينٌ ۝﴾

(الحجر: 15/18)

”مگر جو چوری سے سن بھاگا سوساں کے پیچھے پڑا انگارا چکتا ہوا“۔

نیز فرمایا:

هَلْ أَنْبَثْكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلَ الشَّيَاطِينُ ﴿١٧﴾ تَنَزَّلَ عَلَىٰ كُلِّ افَالِّ اثِيمِ
۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَ اكْثُرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴾۱۸﴾

(شعراء: 26/221, 222, 223)

”کیا میں خبر دوں تمہیں کہ کس پر اترتے ہیں شیطان، اترتے ہیں ہر جھوٹے گنگہار پر، القاء کرتے ہیں سنی ہوئی بات اور اکثر ان میں جھوٹے ہیں“۔

نصوصِ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکونی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ اس سلسلے میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے ہیں تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر دنیاوی آسمان پر اور صحیح بخاری (۱/۲۶۲) کی ایک روایت کے موافق ”عنان“ (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معلومات کے متعلق غیری معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس ٹیلیفون جارہا ہو تو بعض لوگ اسے راستے میں چوری سننے کی کوشش کرتے ہیں، اچانک اوپر سے چمکتا ہوا انگار اس شیطان کے پیچھے لگادیا جاتا ہے۔ اس ہنگامہ دار و گیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو معلوم ہو جاتی ہے اسے وہ بڑی عجلت سے اپنے شیطانی سلسلے تک پہنچادیتا ہے اور دوسرے شیاطین اپنے پجارتی انسانوں تک پہنچادیتے ہیں۔ کا، ہن، رمال، جغار اور نجومی لوگ اسی ادھوری سی بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچ نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

حدیث:.....ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((سُئَلَ رَسُولُ اللَّهِ عَنِ الْكَهَانِ فَقَالَ لَيْسُوا بِشَيْءٍ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُمْ يَحْدُثُونَ أَهِيَّنَا بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَنِ الْكَهَانِ "تَلَكَ الْكَلْمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطُفُهَا الْجَنُّ فَيَقْرَهَا فِي أَذْنِ وَلِيِّهِ فَيَخْلُطُونَ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ مَأْةَ كَذْبَةٍ")

”رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: وہ کچھ نہیں ہیں۔ لوگوں نے کہا: کا، ہن، ہمیں کبھی بخار ایسی بات بتاتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہے؟، آپؐ نے فرمایا: وہ سچی بات شیطان کی طرف سے القاء شدہ ہوتی ہے جسے وہ (ملا اعلیٰ سے) اچک لیتا ہے اور پھر اپنے دوستوں (یعنی کاہن

ونجومی وغیرہ) کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ جس میں وہ سو سے زیادہ جھوٹ ملا لیتے ہیں۔

(صحیح بخاری: 2/857 - صحیح مسلم: 2/233 - مسند احمد رقم الحدیث: 24049، ح 6، ص 87)

باقی شیطان کا چوری سے جو ایک آدھ جملہ فرشتوں سے سن بھاگنا ہے، اللہ سبحانہ نے نہیں چاہا کہ اسکی قطعاً بندش کردی جائے، وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا، مگر یہ بات اسکی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اضلال و اغواء کی اتنی طویل مہلت اور مغایانہ اسباب و سائل پر دسترس بھی تو کسی حکمت کے تحت ہی دے رکھی ہے، وہی حکمت یہاں بھی سمجھ لیجیے۔ اللہ سبحانہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَكَذَّالِكَ جَعَلْنَا لَكُلَّ نَبِيٍّ عَدُوًا شَيَاطِينَ النَّاسِ وَالْجَنِّ

يُوحِي بِعِصْمِهِمْ إِلَى بَعْضٍ زِخْرَفَ الْقَوْلِ غَرُورًا طَ وَلُو شَاءَ
رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ﴾ (آل انعام: 6/112)

”اور اسی طرح بنایا ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن شری آدمیوں کو اور جنوں کو، جو کہ خفیہ طور پر بتاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب ڈینے کیلئے، اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے ان کو وہ جانیں اور ان کی گھڑی ہوئی باتیں۔“

معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کی حکمت بالغ تکوین اسی کو مقتضی ہے کہ نظامِ عالم کو جب تک قائم رکھنا منظور ہے خیر و شر کی قوتوں میں سے کوئی قوت بھی بالکل مجبور اور نیست و نابود نہ ہو۔ اسی لیے نیکی و بدی اور ہدایت و ضلالت کی حریفانہ جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے، ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں تاکہ پیغمبروں کو ان کے مقصد (ہدایت خلق اللہ) میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اسی غرضِ فاسد کیلئے شیاطین الجن والانس باہم تعاون کرتے اور سو جھوٹوں پر ایک سچ کی ملمع سازی کر کے لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ ان کی یہ عارضی آزادی اسی

کیا نبی ﷺ پر جادو ہوا؟

عام حکمت اور نظامِ تکوینی کے ماتحت ہے جو تخلیقِ عالم میں اللہ سبحانہ نے مرعی رکھی ہے۔ شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے:

((فالکھان ونحوهم وان كانوا احياناً يخبرون بشئي من المغيبات ويكون صدقأً فمعهم من الكذب والفجور ما يبين ان الذى يخبرون به ليس عن ملوك))

”یعنی کہاں لوگ اور رمال و نجومی وغیرہم اگرچہ کبھی کبھار کوئی سچی غیبی خبر بتلا دیتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے پاس جھوٹی اور فتن و فجور کی باتیں بھی ہوتی تھیں جس سے پتہ چل جاتا تھا کہ جس بات کی یہ خبر دے رہے ہیں، یہ انہیں کسی فرشتے کے ذریعے نہیں ملی (بلکہ شیطان کی طرف سے ملی ہے)“

(شرح عقیدہ طحاویہ: 159)

”گرہ داردم کردہ دھاگا“

جدید منکرین حدیث نے جادو کی اقسام شمار کرتے ہوئے دم کے ساتھ ”گرہ“ اور ”دھاگا“ کی قید لگائی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ گرہ اور دھاگا کے بغیر دم کو جادو نہیں سمجھتے بلکہ جائز اور مشروع سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دورِ جاہلیت کے دم کو بھی جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں۔

(صحیح مسلم: 2/224، ابو داؤد، ح: 3388، السنن الکبری للبیهقی، ح: 19596، ح: 14515، السنن الکبری

للنسائی، ح: 3542؛ طبرانی اوسط، ح: 1525)

اسی طرح دھاگے پر خواہ صحیح الفاظ کے ساتھ دم کر کے بھی گرہ لگائی جائے تو بھی یہ جادو اور حرام فعل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ”گرہ داردم کردہ دھاگا“، کو بغیر کسی قید کے مطلقاً جادو قرار دیا ہے۔

(نسائی: 2/171، رقم الحدیث: 4011)

بہر حال یہ بات تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ ”گرہ دار دھاگا“ کے بغیر ایسا دم کرنا جس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں، جائز اور م مشروع ہے۔ لہذا اب معرض سے بجا طور پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ جس دم (یعنی بغیر گرہ دار دھاگا) کو آپ بھی جادو نہیں سمجھتے کیا وہ دم من دون اللہ نہیں ہے؟ کیا اس دم سے کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے، کسی بیمار کو شفاء حاصل ہو سکتی ہے، کسی درد اور تکلیف سے نجات مل سکتی ہے؟ اگر وہ کہے کہ ایسے دم سے باذن اللہ شفاء اور نفع حاصل ہو سکتا ہے، تو کیا اس دم کی باذن اللہ تأشیر تسلیم کر لینے سے وہ من دون اللہ سے نفع و نقصان تسلیم کر کے مشرک و کافر بن جائے گا؟۔ اگر اس طرح شرک و کفر لازم نہیں آتا تو گرہ دار دھاگے پر کیے ہوئے دم کا باذن اللہ اثر مان لینے سے کس دلیل کی بنا پر شرک و کفر لازم آتا ہے؟۔

کسی عمل کا ناجائز اور غیر ممشروع ہونا ایک الگ بات ہے اور اس کے نتیجے اور تأشیر کا وجود تسلیم کرنا ایک الگ بات ہے۔ بطور مثال یوں سمجھیے کہ زہر کی گولی یا پستول کی گولی کھا کر خود کشی کرنا یقیناً حرام ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ زہر اور پستول کی گولی میں ہلاکت آفرینی کی مہلک تأشیر ہی نہیں ہے۔ آج تک کسی احمق ترین شخص نے بھی یہ دعوی نہیں کیا کہ خود کشی کرنا چونکہ حرام، باطل اور خلاف حق کام ہے لہذا جان لیوا اور مہلک چیزوں میں باذن اللہ ہلاکت کا اثر تسلیم کرنا شرک و کفر ہے۔ جادو مع جمیع اقسامہ یقیناً حرام، باطل اور خلاف حق ہے مگر اللہ ہی نے اس میں نقصان کی تأشیر کھی ہے جس طرح آگ میں جلانے کی تأشیر کھی ہے اور اگر اللہ چاہے تو اپنی کسی حکمت کی بنا پر اس کی تأشیر ختم بھی کر سکتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ زینب بنت عثمان فرماتی ہیں:

((أَنْ عَبْدُ اللَّهِ رَئِيْسُ فِي عَنْقِي خِيطًا فَقَالَ: مَا هَذَا؟ فَقَلَّتُ خِيطًا رُقِيَّ لِي فِيهِ قَالَتْ: فَأَخْذَهُ فَقَطَّعَهُ، ثُمَّ قَالَ: أَنْتُمْ آلُ عَبْدِ اللَّهِ اغْنِيَاءُ عَنِ الشَّرْكِ..... فَقَلَّتُ لِمَ تَقُولُ هَكَذَا؟ لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِي تُقَدَّفُ، وَكُنْتُ اخْتَلِفُ إِلَيْ فَلَانَ الْيَهُودِيِّ فَإِذَا رَقَاهَا

سکنت۔ قال عبد الله : انما ذالك عمل الشيطان ، كان ينخسها بيده ، فإذا رُقِيَ كفَّ عنها الخ))

”عبدالله بن مسعود“ نے میری گردن میں ایک دھاگا دیکھا تو کہا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ میرے لیے دم کیا ہوا دھاگا ہے۔ فرماتی ہیں انہوں نے اسے پکڑ کر توڑ دیا اور کہا: اے عبد اللہ کے گھر والو! تم شرک سے مستغفی ہو۔ میں نے کہا: آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ میری آنکھ میں چھین ہوتی تھی تو میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی، جب وہ دم کرتا تو آنکھ کو آرام آ جاتا تھا۔ (یعنی گلے میں اسی لیے دم کردہ دھاگا ڈالا ہوا ہے) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: یہ شیطان کی حرکت تھی، جو اپنے ہاتھ سے اس کو چھاتا تھا، جب اس پر دم کیا جاتا تو وہ رک جاتا تھا۔“

(ابوداؤد باب فی تقطیع التمام، رقم الحدیث: 3877، ابن ماجہ، ح: 3521۔ مسند احمد، ح: 3433۔ السنن الکبریٰ للبیهقی، ح: 19603، طبرانی کبیر، ح: 8772، ابو علی، ح: 5086)

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں:

- ۱: اول یہ کہ شیطان کی حرکتوں کا اثر مومنوں پر بھی ہو جاتا ہے اور شیطان اپنی حرکتوں سے مومنین مخلصین کو بھی ایذا پہنچا سکتا ہے۔
- ۲: دوم یہ کہ غیر مشرع دم کروانا یا گلے میں دم کیا ہوا دھاگا وغیرہ ڈالنا شرک ہے۔
- ۳: تیسرا یہ کہ غیر مشرع دم میں بھی اثر پایا جاتا ہے جیسا کہ نسب شیخہ کی آنکھ کی چھین دم کروانے سے رک جاتی تھی۔

اسی طرح امام ابن حزم لکھتے ہیں:

((ونوع آخر من السحر يكون بالرقى وهو كلام مجموع من حروف مقطعة في طوالع معروفة ايضاً يحدث لذالك

التركيب قوة تستثار بها الطبائع وتدافع قوى آخر))

”یعنی جادو کی ایک اور قسم بھی ہے جس کے ذریعے معروف طوالی اور ساعت کے اندر جمع کیے ہوئے ہوئے حروف مقطوعہ کے ساتھ دم کیا جاتا ہے۔ اس ترکیب سے (ساحر کو) ایک ایسی قوت حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے طبیعتوں کے اندر جوش پیدا کیا جاتا ہے اور بعض دوسری قوتوں کو دور ہٹایا جاتا ہے۔“

(الفصل في المثل والآهوا، انخل: 5/4)

اس کے بعد امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ ایسے ڈموں کے موثر ہونے کا ہم نے خود بیشمار بار مشاہدہ و تجربہ کیا ہے، ان میں سے چند مشاہدات انہوں نے کتاب میں درج بھی کیے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر مشرع دم میں باذن اللہ تاثیر کا پایا جانا ایک تجربہ شدہ بات ہے۔

چھٹا شہر:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مصدق اسحر جنت میں نہیں جائیگا، لہذا جو لوگ باذن اللہ جادو کے اثر کے قائل ہیں وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔

ازالہ:

جدید منکرین حدیث نے غالباً اپنی جہالت کی بنابر عوام الناس کو اس روایت کے ذریعے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، کیونکہ:

اولاً:..... یہ روایت ضعیف ہے اسکی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن الحسین ابوحریرہ ازدی ہے جسے امام نسائی نے ضعیف کہا ہے، امام احمد ”کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے اور ابو داؤد“ فرماتے ہیں اسکی حدیث کچھ نہیں ہے۔ جوز جانی کہتے ہیں: حدیث میں اسکی تعریف نہیں کی جاتی، سعید بن ابی مریم کہتے ہیں: یہ صاحب قیاس ہے۔ حدیث میں کچھ نہیں ہے۔“

(تہذیب التہذیب: 5/165۔ میزان الاعتدال: 2/407)

ثانیاً: ”صدق اُخر“ کا معنی ”سحر میں اثر مانے والا“ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے ”سحر کو جائز اور مشروع سمجھ کر تقدیق کرنے والا“۔ جو لوگ باذن اللہ جادو کے اثر کے قائل ہیں انہوں نے کبھی بھی جادو کو جائز اور مشروع عمل نہیں۔ جمالہذا یہ حدیث ان کے خلاف نہیں پیش کی جاسکتی۔

کسی چیز کے وجود کی حقیقت تسلیم کرنا اور بات ہے اور کسی چیز کے وجود کو اچھا اور جائز سمجھنا ایک الگ بات ہے۔ جس طرح ہم شیطان کے وجود کی حقیقت تو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی شیطنت بھری کارستانیوں کو درست اور بحق نہیں سمجھتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شیطان مونوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے، انہیں پھسلاتا ہے، انہیں ایذا بھی پہنچاتا ہے اور دینی یا دنیاوی کاموں میں نسیان کا باعث بھی بنتا ہے مگر ہم اسکی ان شیطانی حرکتوں کو قطعاً درست اور بحق تسلیم نہیں کرتے۔ ٹھیک اسی طرح ہم باذن اللہ جادو کے اثر کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر جادو کرنے یا سیکھنے کو قطعاً درست اور بحق تسلیم نہیں کرتے۔

عقیدہ عتیلیث؟

ساتواں شبہ:

اگر جادو میں باذن اللہ اثر تسلیم کیا جائے تو یہ عقیدہ بن جائے گا، یعنی جادوگر کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے، پھر عمل جادو کرے تیرا اللہ تعالیٰ کا حکم ملے۔ یہ تین مل کر کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں یہ تین الہوں کا عقیدہ ہے۔

(توحید یا جادو 6/7)

ازالہ:

یہ شبہ ایک ایسے ”موحد“ کو لاحق ہوا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ جادوگر کے جادو کے بعد اللہ کا

اذن اور مشیت بنتی ہے۔ اگر ان ”مودین“ کا اپنا یہ حال ہے تو دوسروں کو کیا خاک توحید سمجھائیں گے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا اذن پہلے ہوتا ہے اسکے بعد کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کیلئے عالم اسباب کو حرکت میں لایا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعض اسباب ظاہر ہیں بعض غفیہ ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے جب اللہ چاہے ان کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے یا بالکل ہی سلب کر لے، جب چاہے جیسے چاہے اور جتنی چاہے۔ کبھی آدمی کنکر سے مرتا ہے، کبھی گولی سے بھی نجات ہے یہ سب اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود مسبب الاصباب ہے وہ کسی انسان کو تکلیف یا آزمائش میں مبتلا کرنے کیلئے جس چیز کو سبب بنادے، اس کے اذن وارادہ اور قضاۓ وقدرت سے کوئی شخص خارج نہیں ہے۔ جس ذات کے اذن و مشیت کے بغیر ایک پتا بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا، کیا جادو گر اور شیطانی قوتیں اسکی مشیت اور اذن کے بغیر حرکت کر سکتی ہیں؟ انسان کے نفع و نقصان کا سبب جادو ہو یا دم پھونک، زہر ہو یا تریاق، ان سبب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنے اذن سے ہی ان میں نفع و نقصان کی تاثیر پیدا کر دیتا ہے، یہ چیزیں تو محض اسباب ہیں فاعل اور مؤثر حقیقی ہرگز نہیں ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنے معترضی ذہن کی وجہ سے اس حقیقت کو ”ستیث“، قرار دینے پر مصروف ہو تو اسے جان لینا چاہیے کہ وہ درحقیقت قرآن مقدس پر اعتراض کر رہا ہے کیونکہ معترض کی سوچ کے مطابق اس قسم کا انداز تو خود قرآن مقدس سے ثابت ہے۔ قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول یوں نقل فرمایا ہے:

((انى أخلاق لكم من الطين كهيئة الطير فأنفح فيه فيكون طيراً
باذن الله ﷺ وابرئي الأكمه والأبرص وأحى الموتى باذن
الله)) (49)

”میں باتا ہوں تمہارے لیے گارے سے پرندہ کی شکل، پھر اس میں پھونک

مارتا ہوں پس وہ ہو جاتا ہے اڑتا جانور اللہ کے اذن سے۔ اور اچھا کرتا ہوں مادرزادا ندھے کو اور کوڑھی کو، اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے اذن سے۔

یہاں بھی تین چیزوں کا ذکر ہے یعنی پہلے پرندہ بنانے کے ارادے سے پرندہ کی شکل بنانا، پھر اس مورت میں پھونک مارنا، پھر اللہ تعالیٰ کا "حکم" ملنا۔ مفترض کی ہنی اتفاق کے مطابق یہ گویا "تین الہوں کا عقیدہ" ہے فلا حول ولا قوة الا باللہ۔

یقیناً یہاں مجزات کا بیان ہے اور مجذہ وجادو میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جادو غیر مشروع سفلی فعل ہے اور مجذہ رحمانی فعل ہے لیکن اگر وہی انداز فکر اپنایا جائے جو مفترض کا ہے تو کل کو مفترض سے بھی اپر کلاس کا کوئی "موحد" یہ کہہ کر مجذہ کا انکار کر سکتا ہے کہ اللہ کے "حکم" سے پہلے، دو کام تو خود عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے وقوع پذیر ہوئے ہیں، یعنی پرندے کی شکل کا پتلا بینا اور پھر اس میں پھونک مارنا۔ اب تیرا کام اللہ کا ہے یعنی "اسکی طرف سے حکم ملے"، تو اس طرح تین میں سے تیرا اللہ ہو گیا، یعنی مجذہ میں بھی $\frac{2}{3}$ حصہ تو عیسیٰ علیہ السلام کا ہوا۔ حالانکہ عقیدہ توحید کے بیان میں جس طرح جادو گرمن دون اللہ ہے اسی طرح من دون اللہ ہونے کی حیثیت میں اللہ کا معصوم پیغمبر بھی من دون اللہ ہی ہے اور جس طرح کوئی ساحر مشکل کشانہ نہیں بن سکتا اسی طرح اللہ کا نبی بھی اللہ نہیں بن سکتا۔ تو کیا نیچری (منکریں مجزات) حضرات کی طرح منکریں حدیث بھی یہی چاہتے ہیں کہ اس قسم کی "سنتیت" کا بے ہودہ شوشه چھوڑ کر انکارِ مجزات کی راہ کھول دی جائے؟ فما الہو آلاء القوم لا یکادون یفکرون حدیثا

اذن کا معنی

لفظ اذن کا معنی "حکم" سمجھنا غلط ہے کیونکہ حکم دے کر وہ کام کروایا جاتا ہے جو محکوم علیہ کے دائرہ اختیار میں آتا ہو۔ مثلاً ایک شخص انگریزی زبان سے نا بلد ہے، اگر آپ اسے حکم دیں

کہ وہ آپ کو انگریزی اخبار پڑھ کر سنائے یا انگریزی زبان میں خط لکھ کر دے تو کیا وہ آپ کے حکم کی تعمیل کر سکے گا؟ یا محض آپ کے حکم سے ہی وہ انگریزی زبان فرفہر پڑھنے لگ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو پھر بھی ایک زبان کا معاملہ ہے جسے محنت کر کے سیکھا بھی جا سکتا ہے مگر مٹی سے جیتا جا گتا پرندہ بنادینا تو کسی طور کسی بھی انسان کے بس میں نہیں ہے اور نہ ہی محنت کر کے اس ”فنِ تخلیق“ کو حاصل کیا جا سکتا ہے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کو جیتا جا گتا پرندہ تخلیق کرنے کا حکم دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ سمجھ لیجئے کہ ایسے مقامات پر باذن اللہ کا معنی ہے ”اللہ کا ارادہ، مشیت و قضا“۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الا باذن الله بیارادتہ وقضائہ لا بأمرہ))

”یعنی اللہ کے اذن کا مطلب ہے: اس کا ارادہ اور اُنکی قضاء، نہ کہ اس کا حکم۔“

(تغیر القرطبی: 2/55)

یعنی اللہ کی مشیت اور ارادے سے ہی عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک میں روح حیات کی تاثیر پیدا ہو جاتی تھی جس سے مٹی کے پتلے اور مردہ لاشیں زندہ ہو جاتی تھیں اور اللہ کی مشیت اور قدرت سے آپ کے دست مبارک میں صحیتیابی کا اثر پیدا ہوتا تھا جس سے آپ مادرزاد انہی کو بینا اور کوڑھی کو تسلیم کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح جادو کے ذریعے بھی اللہ کے ارادے اور قضاء سے ہی نقصان پہنچتا ہے اور اگر اللہ نقصان نہ پہنچانے کا ارادہ کر لے تو جادو کی تاثیر کو ختم کر دیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مجرّمات کو جادو کیوں کہا گیا؟

دیگر کافر قوموں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے جاہل لوگ بھی ان مجرّمات کو تسلیم کرنے کی بجائے آپ کو ساحر قرار دے کر آپ کے قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ أَنْ هَذَا لَا سِحْرٌ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِنَّ﴾
 (مائدہ: 5/110)

”پس کہنے لگے جو کافر تھے ان میں نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔“

یعنی ان کافر لوگوں نے ان خوارق کو جادو و قرار دیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس دور میں جادو سے خرق عادت کاموں کا ظہور نہیں ہوا کرتا تھا تو انہوں نے خرق عادت مجذرات کو جادو سے تعبیر کیوں کیا؟۔ کسی کام کو کسی دوسرے کام کے مشابہ قرار دینے کیلئے ضروری ہے کہ مشابہ بہ کا وجود ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہو یعنی مشابہ بہ کے وجود کا پہلے ہونا اور اس میں وجہ شبہ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر کسی طاقتوار اور دلیر شخص کو شیر کہا جائے تو پہلے شیر کا وجود اور اس کی طاقت و دلیری کا وصف ماننا ضروری ہے، اگر شیر میں طاقت اور دلیری کا وصف نہ پایا جاتا ہو تو کسی طاقتوار اور دلیر انسان کو شیر کہنے کا کوئی تک نہیں ہے۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے خرق عادت مجذرات دکھلانے پر بھی فرعون اور اسکے حواریوں نے یہی کہا تھا۔ قرآن مقدس میں ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بِنَابِتٍ قَالُوا مَا هَذَا لَا سِحْرٌ مُفْتَرٌ﴾
 (قصص: 28/36)

”پھر جب پہنچا ان کے پاس موسیٰ ہماری کھلی نشانیاں لے کر، کہنے لگے یہ نہیں ہے مگر جادو باندھا ہوا۔“

یعنی خرق عادت نشانیاں دیکھ کر کہنے لگے یہ جادو ہے، اور جو باقی اللہ کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا ہے۔ اس طرح انہوں نے خرق عادت کاموں کو جادو و قرار دیا اور اپنے زعم میں ”جادو“ کا مقابلہ جادو کے ساتھ کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔

در اصل ان انبیاء علیہما السلام کے دور میں اطباء اور جادوگروں کا زور تھا جو اپنے فن سے محیر العقول اور خرقی عادت امور دکھا کر لوگوں کو مرعوب کیا کرتے تھے۔ اس لیے اللہ سبحانہ نے ان ہر دو انبیاء کو ایسے مجذرات مرحمت فرمائے جو لوگوں پر ان کے سب سے زیادہ مایہ نازفین میں ان انبیاء کا نمایاں تفوق ثابت کریں۔

النبر اس شرح العقائد میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی حنفی لکھتے ہیں:

((جعل معجزة موسى عليه السلام من جنس السحر وعيسى عليه السلام من جنس الطب لاستهار السحر والطب في زمانهم))

”یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا مجذہ جادو کی جنس سے اور عیسیٰ علیہ السلام کا مجذہ طب کی جنس سے ظاہر کیا، کیونکہ ان دونوں انبیاء کے زمانے میں جادو اور طب کی مشہوری تھی۔“

(النبر اس: 275)

سَحْرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ كامعنی ومفهوم

جدید منکرین حدیث کہتے ہیں: ”سحر کا معنی دھوکہ ہے تو اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ لوگوں کی آنکھوں کو دھوکہ دیا، اس لیے قرآن نے چیلنج کر دیا فرمایا“ لا تبدیل لخلق الله ”لہذا اللہ کی بنائی ہوئی آنکھ کی حالت و حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا۔“

(تجید یا جادو ص: 13)

یہ لوگ اس آیت میں تو سحر کا معنی ”دھوکہ“ کرتے ہیں لیکن ”ان تتبعون الا رجلا مسحورا“ والی آیت میں مسحور کا معنی ”جادو زده“ کرتے ہیں۔ یعنی:

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

کیا وجہ ہے کہ وہاں مسحور کا معنی ”دھوکہ زدہ“ یا فریب خورہ“ نہیں کرتے؟۔ وجہ صرف یہ ہے کہ متفق علیہ حدیث میں چونکہ آپ ﷺ پر جادو سے عارضی طور پر متاثر ہونے کا ذکر ہے، اس لیے آیت کو اس حدیث کے متضاد بنانے کیلئے مسحور کا معنی ”جادو زدہ“ کر دیتے ہیں تاکہ آیت اور حدیث کا لکڑاً ثابت کیا جاسکے۔ کیونکہ اگر مسحور کا معنی ”دھوکہ زدہ“ کیا جائے تو پھر ان کے لیے حدیث کو رد کرنے کا بہانہ تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ”سحر و اعین الناس“ میں جس ”دھوکے“ کا ذکر کیا جاتا ہے اس کا سبب جادو ہی تو تھا، یعنی جادو کر کے لوگوں کی آنکھوں کو دھوکہ دیا گیا تھا۔ اور وہ ”دھوکہ“ کیا تھا؟ اس کی تفصیل بھی قرآن نے دوسرے مقام پر خود بتلادی ہے۔ قرآن مقدس کے وہ دونوں مقامات درج ذیل ہیں:

﴿قَالَ أَلْقُوا حِجَّةَ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحْرُوا أَعْيْنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَ

جَاءُوا بِسُحْرٍ عَظِيمٍ﴾ (الاعراف: 7/116)

”موئی علیہ السلام نے کہا تم ڈالو، پھر جب انہیں نے ڈالا جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ان کو ڈرایا اور لے آئے بڑا جادو۔“

اس مقام پر یہ تفصیل نہیں بتلائی گئی کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر جادو کا کیا اثر پڑا۔ اس کا ذکر ایک دوسرے مقام پر ہے۔

﴿قَالَ بَلَ الْقُوَّاتِ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيمُهُمْ يُخَيِّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ

أَنَّهَا تَسْعَى﴾ (طہ: 2/66)

”موئی علیہ السلام نے کہا: بلکہ تم ڈالو! پھر ناگہاں انکی رسیاں اور لاثھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موئی کو یوں خیال میں آئیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔“

((بان خَيَّلُوا إِلَيْهَا مَا الْحَقِيقَةُ بِخَلَافِهِ))

”یعنی لوگوں کی آنکھوں کو ایسا منظر دھلایا جو حقیقت کے خلاف تھا (یعنی ساکت

وجاء درسیاں اور لامتحیاں دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں،)۔

(تفیر روح المعانی، زیر تفسیر سورت اعراف، آیت: ۶۱)

تو یہ تھا جادو کا اثر یا بقول معتزلہ جادو کا ”زور“ یا جادو کا ”دھوکہ“! اس کا جو بھی نام رکھ لیں، یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ موئی علیہ السلام کو خلاف حقیقت رسیاں اور لامتحیاں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ رسیاں اور لامتحیاں قطعاً نہیں دوڑ رہی تھیں، وہ ویسی کی ولی میں بے جان اور بے حس و حرکت ہی تھیں مگر موئی علیہ السلام کو جادوگروں کے جادو کی وجہ سے دوڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اور پھر دھوکہ بھی تو اسی کو کہا جاتا ہے جس کی حقیقت کچھ اور ہو مگر ظاہر کچھ اور معلوم ہو۔

بعض حضرات نے یہاں بھی ”دھوکہ“ دینے کی کوشش کی ہے اور وہ یہ کہ وہ رسیاں وغیرہ واقعتاً دوڑ رہی تھیں کیونکہ ان کے اندر پارہ وغیرہ بھرا ہوا تھا جو دھوپ میں پڑے رہنے کی وجہ سے گرم ہو کر حرکت کرنے لگ گیا تھا۔ درحقیقت یہ بہانہ ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ سے بھی بدتر ہے، اسکی حیثیت ایک بے بنیاد تخيیل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ:

۱: اول تو یہ کہ رسیوں اور لامتحیوں کو پھینکنے کے بعد ان کے گرم ہونے کا انتظار نہیں کیا گیا تھا بلکہ قرآن کے بیان کے مطابق رسیاں اور لامتحیاں پھینکتے ہی دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگ گئی تھیں۔ ”فاذ احبابِهم“ پر جو حرف فا داخل کیا گیا ہے وہ تعقیب کیلیے ہے جو ترانی نہیں چاہتا اور اس پر تمام متزمین و مفسرین کا اتفاق ہے۔

۲: اگر قرآن کے اس اسلوب کو پس پشت ڈال کر یہ کہا جائے کہ وہ رسیاں وغیرہ فوراً دوڑتی ہوئی محسوس نہیں ہوئی تھیں بلکہ کافی دیر دھوپ میں پڑے رہنے کے بعد ان میں حرکت پیدا ہوئی تھی، تو یہ بات بھی تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے۔ اگر کسی کو اصرار ہو تو وہ آج بھی لکڑیوں اور رسیوں میں پارا بھر کر اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔ قرآن مقدس نے محض ”حرکت“ کرنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ ”دوڑنے“ کا ذکر کیا ہے، اور پارہ بھری

لکھیاں چاہے کتنی ہی دیر دھوپ میں پڑی رہیں دوڑنے کے قابل نہیں ہو سکتیں۔

3: اس بے دلیل بات کے جھونٹا ہونے کی مزید دلیل یہ ہے کہ اگر وہ رسیاں اور لاثھیاں فی الواقع دوڑ رہی ہوتیں تو موئی علیہ السلام کے لیے "خَلِيلُ الْيَهُودِ" کے الفاظ نہ لائے جاتے بلکہ صاف الفاظ میں کہا جاتا کہ "ان کی رسیاں اور لاثھیاں دوڑنے لگ گئیں"۔ دوڑنے اور دوڑتا ہوا محسوس ہونے میں جو فرق ہے اسے سمجھنے کے لیے معمولی سی عقل بھی کافی ہے، خاص کروہ لوگ جو ہمیشہ ہی "عقل" کے تابع رہتے ہیں انہیں تو ایسی بے عقلی کی باتوں سے پر ہیز کرنا چاہیے۔ بہر حال منکرین حدیث کواب یہ حقیقت تسلیم کر لینا چاہیے کہ موئی علیہ السلام پر جادو کا اثر ہوا تھا، آپ کو جو نظری دھوکہ لگا اس کی وجہ جادو ہی تھا۔

لا تبديل لخلق الله كامفهوم

منکرین حدیث سحر نے اس آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ: اللہ کی بنائی ہوئی آنکھ کی حالت و حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا کہ انسانی آنکھ دیکھ تو ماں کو رہی ہے اور جادو کی نظر بندی سے نظر اسکو بیوی آرہی ہے۔

یعنی ان کے خیال کے مطابق اس آیت میں اعضاء و جوارح کی تبدیلی کی نفی کی جا رہی ہے عالاً انکہ یہ غلط ہے بلکہ یہاں انسانی فطرت کی تبدیلی کی نفی کی جا رہی ہے۔ کسی آیت کے مکملے کو سیاق و سبق سے الگ کر کے اپنے مطلب کا مفہوم نکالنا بے دین مبتدعین کا پرانا حرہ ہے۔ مکمل آیت اور اس کا مفہوم اس طرح ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلّٰهِ الْيَعْلَمِ حَنِيفًا طِفْلَةً اللّٰهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا طِلَابًا لَا تَبْدِيلُ لِخَلْقِ اللّٰهِ طِلَابًا لَّذَالِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾ (روم: 30)

"پس تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر، وہی تراش اللہ کی جس پر

تراشالوگوں کو، بدلا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کوئی ہی ہے دین سیدھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اس آیت کریمہ میں انسانی طبع اور فطرت کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے، اور بدء فطرت سے اپنی ابھالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطور حجم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گرد و پیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دینِ حق کو اختیار کرے۔ فطرت اللہ سے اللہ کی توحید مراد ہے جس کی قابلیت واستعداد اللہ سبحانہ نے ہر بچے کی فطرت اور خلقت میں ودیعت فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

((قال رسول الله ﷺ : "ما من مولود الا يولد على الفطرة، ثم يقول اقرء وا: فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبدل لخلق الله ذلك الدليل القيم))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے ابو ہریرہ رض فرماتے تھے: یہ آیت پڑھو

((فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبدل لخلق الله ذلك الدليل القيم))

”یعنی صحابی ء رسول ابو ہریرہ رض نے مذکورہ حدیث کو اس آیت کی تشرع قرار دیا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس آیت میں فطرت اللہ کو الدین القيم کہا گیا ہے۔“

(صحیح مسلم: 2/336)

اور سورت یوسف میں فرمایا:

﴿اَنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلَّهِ طَ اَمْرُ انْ لَا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَاهُ طَ ذَالِكُ الدِّينُ﴾

(یوسف: 40/12) (القيمة)

”حکومت صرف اللہ کی ہے، اس نے فرمادیا کہ صرف اسی کی پوجا کرو یہی ہے
راستہ مضبوط۔“

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں فطرت اللہ نے دین توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہی
مراد ہے۔

((المعنى انه خلقهم قابلين للتوحيد والاسلام))

”یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت میں توحید و اسلام کی قابلیت رکھی ہے۔“

(تفسیر مدارک: 3/208)

((والمراد بفطرهم على دين الاسلام خلقهم قابلين له غير
نابين عنه ولا منكرين له))

”یعنی دین اسلام کی فطرت پر پیدا کرنے کا مطلب ہے انہیں دین اسلام کو بلا
انکار قبول کرنے کی فطرت پر پیدا کرنا۔“

(تفسیر روح المعانی، زیر تفسیر سورت روم، آیت ۳۰)

”لا تبديل لخلق الله“ میں اسی خلقت کی تبدیلی کی نفی کی گئی ہے، یعنی اگر انسان کو
اسکی فطرت پر مخالف بالطبع چھوڑ دیا جائے اور اسکے والدین یا ماحول کسی اور طرف جھکنے پر مجبور نہ
کرے تو اسکی خلقت و جبلت اسے صرف اپنے خالق و مالک کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے
گی۔ تمام انسانوں کی فطرت و خلقت اللہ سبحانہ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تقاضا نہ ہوتی اور
تبدیلی نہیں۔ فرض کیجیے اگر فرعون یا ابو جہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی
تو ان کو قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا، جیسے دیگر جانداروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔
فطرت انسانی کی اسی یکسانیت اور غیر مبدل ہونے کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول

مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان قبول کرتے ہیں گوآن پر پوری طرح کار بند نہیں رہتے۔ مثلاً اللہ سب کا خالق و مالک ہے، سب سے جدا اور نرالا ہے، کوئی اس جیسا نہیں، اس پر کسی کا زور نہیں چلتا وہ سب سے زیادہ علم و قوت والا ہے، یہ سب اصول ہر انسان قبول کرتا ہے۔ اسی طرح کسی پر ظلم کرنا، ناحق کسی کی جان و مال اور عزت کے درپے ہونا، امانت میں خیانت کرنا، جھوٹ بولنا، ہر کوئی براسجھتا ہے۔ اسی طرح اللہ کو یاد کرنا، حق پورا دینا، دغناہ کرنا، ہر کوئی اچھا سجھتا ہے۔ یہی امورِ فطری انسانی خلقت کی بنیاد ہیں جن میں کوئی تقاوٹ اور تبدیلی نہیں ہے۔ یعنی اصل خلقت کے لحاظ سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں، ہر انسان کی فطرت قبول حق کیلیے مستعد بنائی ہے۔

انسانی آنکھ کی حالت کا تبدیل ہونا

یہ ہے آیت کا اصل مفہوم، مگر منکریں حدیث کا کہنا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے مثلاً جس حالت پر انسانی آنکھ بنائی ہے، زندگی بھرا اسکی وہ حالت خراب یا تبدیل ہونی ہو سکتی۔ اسے کہتے ہیں ”سوال گندم جواب اسبغوں“۔

انسانی آنکھ کی حالت خراب بھی ہوتی رہتی ہے اور تبدیل بھی، یہ ایک ایسی صاف اور پچی بات ہے جس کا انکار کوئی معقول انسان نہیں کر سکتا۔ رہا انسانی آنکھ کو دھوکہ ہونا تو یہ بھی متعدد بار مشاہدے میں آچکا ہے (اور اس میں سحر زدہ ہونا بھی ضروری نہیں) کہ کبھی کبھی انسانی آنکھ اور بصارت کو دھوکہ بھی لگ جاتا ہے۔ کبھی انسان کسی اجنبی کو اپنا شناسا اور دوست سمجھ کر مخاطب کر رہیتھا ہے مگر قریب جا کر غور سے دیکھنے پر پتا چلتا ہے کہ وہ اس کا دوست نہیں بلکہ کوئی اجنبی ہے، بلکہ بعض اوقات اپنی آنکھ کے دھوکے پر اجنبی سے مذدرت بھی کرنا پڑ جاتی ہے۔ خود قرآن مقدس نے بھی انسانی آنکھ کی حالت کی تبدیلی کا ذکر کیا ہے کہ دیکھ تو کچھ اور رہی ہے مگر نظر کچھ اور آرہا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً طَحْتَى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا﴾ (نور: 39/24)

”جیسے ریت صاف میدان میں جسے پیاسا آدمی پانی سمجھتا ہے، حتیٰ کہ جب اس کے پاس آیا تو وہاں کچھ بھی پانی نہ پایا۔“

سراب وہ ریت جو دھوپ میں چمکتی نظر آتی ہے، ایک مسافر جو لق و دن صحرائیں سفر کر رہا ہو، سورج کی گرمی تیز ہو اور اسے پیاس بھی لگی ہوئی ہو، دور سے اسے سراب نظر آتا ہے جو سورج کی شعاوں کی وجہ سے دیکھنے والے کو پانی کا دریا دکھائی دے رہا ہے۔ وہ ریت کو پانی سمجھ کر اس کے قریب آتا ہے تو اس وقت اسے حقیقت کا پتا چلتا ہے کہ یہ پانی نہیں بلکہ ریت ہے۔ جو لوگ انسانی آنکھ کی حالت کی اس قسم کی تبدیلی کا انکار کرنے کیلئے ماں اور بیوی کے تفاوت کی مثالیں دیتے ہیں انہیں اپنے گھٹیا ذہن کے خول سے باہر نکل کر سوچنا چاہیے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے۔ کیا اس آیت سے یہ حقیقت بالکل واضح نہیں ہوئی کہ انسانی آنکھ دیکھ تو ریت کو رہی ہے مگر نظر اسکو پانی آرہا ہے؟۔ تفسیر بالرائے بہت براجم ہے مگر ہم تو ان حضرات کے لیے یہ لفظ بھی استعمال نہیں کرتے کیونکہ اپنی ہی ”رائے“ کو سب کچھ سمجھنے والے ویسے بھی علم تفسیر سے کوئے ہوتے ہیں۔ بہر حال قرآن مقدس سے ہی ثابت ہو گیا کہ انسانی آنکھ کی حالت و کیفیت میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

قارئین کی دلچسپی کیلئے ”شرح عقائد مع النبر اس کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے:
 ((والحس قد يغلط كثيراً كالأحوال يرى الواحد اثنين والصفراوى يجد الحلول مرا))

”یعنی حس میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے جیسے بھینگا جو دیکھتا ایک کو ہے مگر اسے نظر دو آتے ہیں (اور بعض اوقات ایسا شخص دیکھ تو مثلاً نذری کی طرف رہا ہوتا ہے مگر اسکو نظر بیشتر آرہا ہوتا ہے، اسی قسم کا دھوکہ خاطب کو بھی ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ

کسی اور کو دیکھ رہا ہے جبکہ وہ مخاطب کوہی دیکھ رہا ہوتا ہے) اور صفراء والا میٹھی چیز کو بھی کڑوا محسوس کرتا ہے۔“

”شرح العقائد“ کے شارح اسکی مزید مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وقد ذكر في المطولات امور كثيرة من غلط الحس فقالوا
نرى الصغير كبيراً كالنار البعيدة في الظلمة وبالعكس
كالإنسان بعيداً ونرى المعدوم موجوداً كالسراب والخطوط
النورية من القمر عند غمز العين والخطأ من قطرة النازلة
والدائرة من الشعلة الدوارة ونرى المتحرك ساكناً وبالعكس
كالظل والقوابض نراها ساكناً وكراكب السفينة يرى الساحل
متحركاً وكما نرى القمر في الغيم سائراً ثم حاصل هذه
الشبهة ان غلط الحس في بعض المواقع معلوم بالاتفاق))
”یعنی مطولات میں آنکھ کی حس کو غلطی لگانے کی بہت سی مثالیں ذکر کی گئی
ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھتے تو چھوٹی چیز کو ہیں لیکن ہمیں نظر بڑی آتی ہے جیسے
اندھیرے میں دور والی آگ، یا اسکے برعکس جیسا کہ دور والا انسان جو دیکھنے میں
چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور بعض اوقات ہمیں ایک غیر موجود چیز موجود نظر آتی ہے جیسے
سراب، آنکھ جھپکتے وقت چاند سے نورانی لکیروں کا نکلتا ہوا دیکھنا، بارش کے
قطروں کو لکیروں کی شکل میں دیکھنا، اور گھونمنے والے شعلے کو دیکھنا مگر دیکھنے میں
آگ کا دائرة محسوس ہونا۔ اور کبھی ہم متحرك چیز کو دیکھتے ہیں مگر نظر ساکن آتی ہے
اور کبھی اسکے برعکس ہوتا ہے جیسے سایہ اور ستارے، ہم انہیں دیکھتے تو متحرك رہے
ہوتے ہیں مگر نظر ساکن آتے ہیں، اور جیسے کشتی میں سفر کرنے والے کو ساحل
متحرك دکھائی دیتا ہے حالانکہ وہ ساکن ہوتا ہے، اور جیسا کہ ہم چاند کو بادلوں

میں تیرتا ہوا دیکھتے ہیں حالانکہ بادل تیر رہے ہوتے ہیں۔ اس شبہ کا حاصل یہ ہے کہ بعض مقامات پر حس کو غلطی لگانا بالاتفاق معلوم ہے (یعنی اس بارے میں اہل السنۃ اور معتزلہ وغیرہ کا اتفاق ہے)۔

(البدر اس: ۳۵۔ تفسیر نیشاپوری فی تفسیر البقرۃ، آیت: ۱۰۲۔ الکتب والمعین للماوردي)

مگر معلوم ہوتا ہے جدید منکرین اس بارے میں قدیم معتزلہ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔ جب یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جادو کے بغیر بھی انسانی آنکھ کی حالت میں تبدیلی ایک امر واقعہ ہے تو، صرف سحر کی تاثیر کا انکار کرنے کیلئے خلاف حقیقت بات کا سہارا لینا اور اپنے خود ساختہ نظریات ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات میں تحریف معنوی کرنا کسی درجہ میں بھی قابل ستائش کام نہیں ہے۔

”یؤمنون بالجِبْت“ کا صحیح مفہوم

منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ جو لوگ جادو کی تاثیر کے قائل ہیں وہ ”ایمان بالجِبْت“ رکھنے کی وجہ سے مشرک ہیں۔ کیونکہ ایمان دل کے ارادے اور جذبے کا نام ہے۔

(ملخصہ از توحید یا جادو: ص 14)

ہمیں یقین ہو چلا ہے کہ انکارِ حدیث کی نحوسٹ کی وجہ سے یہ لوگ فہم قرآن سے بھی کسوں دور ہیں۔ حدیث رسول اللہ ﷺ کا انکار انہوں نے خود کیا اور قرآن کا فہم اللہ نے انہیں نصیب نہیں ہونے دیا۔ اب کامل آیت اور اس کا مفہوم ملاحظہ کیجیے اور منکرین حدیث کی ”قرآن دانی“ کی دادو بیجیے۔ ارشاد باری ہے:

﴿الَّمَ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُنُولَاءُ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾ (النساء: 4/51)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا ایمان لاتے ہیں بتوں پر اور طاغوت پر اور کہتے ہیں کافروں کو کہ وہ راستے کے لحاظ سے ایمانو والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔“

یہ آیت یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف اور اسکے ان ستر ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ احمد کے بعد مکہ میں آئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہے گے معاهدے کو توڑ کر مشرکین کے ساتھ حلیف بننے کا معاهدہ کریں۔ اس وقت اہل مکہ نے انہیں کہا:

((انتم اهل کتاب و محمد صاحب کتاب ولا نأمن ان یکون
هذا مکرا منکم فان اردتم أن نخرج معکم فاسجدوا الی
هذين الصنمين ففعلوا ذالك فذالك قوله تعالى "يؤمنون
بالجباۃ والطاغوت")

”یعنی تم اہل کتاب ہو اور محمد (ﷺ) بھی صاحب کتاب ہے، لہذا ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا فریب بھی ہو سکتا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لڑائی میں ہم تمہاری مدد کریں تو آؤ (ہمیں اعتبار دلانے کیلئے) ان دو بتوں کو سجدہ کرو، پس ان یہودیوں نے بتوں کو سجدہ کیا۔ اسی کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”یؤمنون بالجباۃ والطاغوت“۔

(تفسیر خازن: 1/455)

نیز ”ویقولون“ کی واو تفسیری ہے یعنی ”یقولون“ سے لیکر ”سبیلا“ تک ”یؤمنون“ کی تفسیر ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جب اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ کافروں کو مونوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ پس ایمان لانے کا مطلب یہ ہوا کہ کسی چیز کے جائز اور دین حق ہونے کی تصدیق کرنا اور پھر اسی کے مطابق افعال سرانجام دینا۔

امام قرطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”مفسرین نے جبت اور طاغوت کی مراد میں اختلاف کیا ہے، ابن عباسؓ، ابن جبیرؓ اور ابوالعالیٰؓ کہتے ہیں کہ جبت سے جادوگر مراد ہے۔ عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ جبت سے جادو مراد ہے۔ ابن مسعودؓ اور عکرمؓ کہتے ہیں کہ جبت اور طاغوت سے کعب بن الأشرف اور حبی بن اخطب مراد ہیں، انکی دلیل قرآن کی یہ آیت (یویدونَ أَن يَتَحَاكُمُوا إِلَيْهِ الطَّاغُوتُ) ہے (عکرمؓ، حمایاؓ اور ایک قول میں ابن عباسؓ سے بھی یہی معنی مردی ہے، از ابن جریر)۔ قادہؓ کہتے ہیں کہ جبت سے شیطان مراد ہے۔“

(تفیر قرطی: 5/248)

اگر جدید معترض کے فہم کے مطابق یؤمنون بالجبت والطاغوت کا معنی یہ ہے کہ ”جو لوگ جادو کی حقیقت اور وجود مانتے ہیں ان پر اللہ نے لعنت ہے“، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسی آیت کے مطابق جو لوگ کعب بن اشرف اور حبی بن اخطب کا حقیقی وجود مانتے اور شیطان کے شیطانی اثرات کو مانتے ہیں ان پر بھی اللہ کی لعنت ہے فلا حول ولا قوة الا بالله ونحوذ بالله من هذه الخرافۃ۔

مشہور مفسر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((والصواب من القول في تأویل (یؤمنون بالجبت والطاغوت) ان يقال يصدّقون بمعبودین من دون الله، يعبدونهما من دون الله ويتخذونهما الالهين وذاك ان الجبت والطاغوت اسمان لكل معظم بعبادة من دون الله او طاعة او خضوع له كائنا ما كان ذلك معظم من حجر او انسان او شیطان))

”یعنی اس آیت کی مراد اور مفہوم میں صحیح قول یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ اللہ کے سوا دو معبدوں کی تصدیق کرتے ہیں، اللہ کے سوا انکی عبادت کرتے اور ان کو معبدوں بناتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جبت اور طاغوت ہر اس معظم ہستی کو کہتے ہیں جس کی اللہ کے سوا عبادت یا اطاعت کی جائے اور اس کے سامنے عاجزی سے اسکی تعظیم کی جائے، وہ ہستی خواہ کوئی ہو پھر ہو، انسان ہو یا شیطان ہو۔“

(تفیر ابن جریر: 5/123، فی نجی: 8/465)

یعنی ”یؤمِنون بالجَبْتِ وَالْطَّاغُوتِ“ کا مطلب ہے ان کے: بودھونے کی تصدیق کرنا، عبادت کرنا، اطاعت کرنا اور تعظیم کرنا۔ جادو کے باذن اللہ اثر کے قائلین نہ تو جادو اور جادوگر کو معبد سمجھتے ہیں، نہ انکی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی اطاعت و تعظیم کرتے ہیں، لہذا انہیں اس آیت کا مصدق لٹھرا ظلم اور تعدی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نفس پرستی اور تفسیر بالرائے سے سب مسلمانوں کو محفوظ فرمائے!

ایمان کی تعریف

محض دل کے خالی جذبے اور ارادے کو ”ایمان لانا“ نہیں کہا جاتا جیسا کہ جدید مکررین حدیث نے کہا ہے کہ:

”ایمان دل کے ارادے اور جذبے کا نام ہے جسے عقیدہ کہا جاتا ہے۔“

(توحید یا جادو: 14)

حالانکہ مطلق دل کے جذبے اور ارادے کا نام ایمان ہے نہ عقیدہ، بلکہ کسی امر شرعی کی تصدیق و اطاعت کا نام ایمان ہے۔ انسان کے دل میں مختلف قسم کے جذبات و ارادات پیدا ہوتے رہتے ہیں اگر ہر قسم کے جذبے و ارادے کا نام ”ایمان لانا“ رکھ دیا جائے تو پھر یقین کر لیجیے کہ کوئی ایک شخص بھی کم از کم اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو ”موحد“ نہیں

کھلوا سکتا۔ مثلاً:

اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں اپنے دل میں محبت کا جذبہ رکھتا ہے تو متکرین حدیث کے نزدیک اس کا مطلب ہو گا کہ شخصِ مذکور اپنی محبوب شخصیت یعنی ایک جیتے جاتے بت پر ایمان لا کر مشرک ہو چکا ہے۔ اسی طرح شیطان کے بارے میں غصے اور نفرت کے جذبات رکھنے والا بھی ”ایمان بالجیت“ کا مرکب گردانا جائے گا۔ فلا حول ولا قوۃ الا بالله!

النبراس شرح العقائد میں ہے:

((ان الايمان في الأصل جعل الغير أمناثم وضع للتصديق لأن المصدق كأنه يجعل المُخْبِرَ أمنا من التكذيب والمخالفة))

”اصل میں ایمان کا مطلب ہے کسی دوسرے کو امن والا بنانا، پھر اس لفظ (ایمان) کو قصد یقین کیلئے وضع کیا گیا کیونکہ قصد یقین کرنے والا گویا خبر دینے والے کو تکذیب اور مخالفت سے بے خوف اور امن والا بنارہا ہے۔“

(المر اس: 246)

تمام اہل السنۃ جو اجماعی طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ جادوا پنا ایک وجود رکھتا ہے اور اس میں باذن اللہ اثر بھی پیدا ہو سکتا ہے، وہ قطعاً جادو یا عملِ سحر کو جائز اور مشروع نہیں سمجھتے بلکہ اسے کفر و شرک قرار دیتے ہیں اور اسکے عامل کو ”من“ نہیں بلکہ واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ امام ابن بطال مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مذهب جماعة أهل السنة من سلف الامة وخلفها : أن الايمان قول وعمل يزيد وينقص))

”یعنی اہل السنۃ کے تمام سلف و خلف کا مذهب یہ ہے کہ: ایمان قول اور عمل کا نام

ہے جو بڑھتا بھی ہے اور گھٹھتا بھی ہے۔“

(شرح الأربعين حدیث النوویۃ لابن دیقین العید: 17)

اسی طرح شرح عقیدۃ طحاویہ میں ایمان کی تعریف اس طرح لکھی ہے:
 ((فذهب مالک والشافعی واحمد والأوزاعی واسحق بن راهویہ وسائر اهل الحدیث واهل المدینۃ رحمہم اللہ واهل الظاهر وجماعۃ من المتكلمين الی أنه تصدق بالجنان ، واقرار باللسان ، وعمل بالأركان))

”یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راهویہ، تمام محدثین واهل مدینۃ رحمہم اللہ، اہل ظاہر (ظاہریہ) اور متكلمين کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی، اقرار باللسان اور عمل بالأركان کا نام ہے۔“

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ: 373)

نیز لکھتے ہیں:

((والكتاب والسنۃ مملوء ان بما يدل على أن الرجل لا يثبت له حکم الايمان الا بالعمل مع التصديق))

”یعنی کتاب وسنۃ مملوء ان بما يدل على أن الرجل لا يثبت له حکم الايمان الا بالعمل مع التصديق“
 کرتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے ایمان کا حکم ثابت نہیں ہوتا جب تک تصدیق کے ساتھ ساتھ عمل نہ کرئے۔

(شرح عقیدۃ الطحاویۃ: 408)

حقیقت بھی یہی ہے کہ تصدیق کا اظہار سوائے افعال کے ہو ہی نہیں سکتا لہذا اعمال کو ایمان کا جزء ماننا صحیح مذہب ہے۔

امام ابو عبد القاسم بن سلام رحمہ اللہ (۱۵۷ھ - ۲۲۳ھ) فرماتے ہیں:

((وانا نظرنا في اختلاف الطائفتين ، فوجدنا الكتاب والسنة يصدقان الطائفة التي جعلت الایمان بالنية والقول والعمل جمیعاً، وینفيان ماقالت الأخرى))

”یعنی ہم نے دونوں گروہوں کے اختلاف میں غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کے دلائل اس گروہ کی تصدیق کرتے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ایمان، نیت، قول اور عمل سب کے مجموعے کا نام ہے، اور کتاب و سنت دوسرے گروہ کے مذهب کی نفی کرتے ہیں۔“

(كتاب الایمان للإمام ابو عبد القاسم بن سلام ص: 11 تحقیق و تعلیق الألباني)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ومن اصول اهل السنة والجماعۃ أن الدين والایمان قول وعمل قول القلب واللسان، وعمل القلب واللسان والجوارح، وان الایمان يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية))

”یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے اصول میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ: دین اور ایمان، قول و عمل (دونوں) کا نام ہے۔ یعنی دل اور زبان کا قول، اور دل، زبان اور اعضاء و جوارح کا عمل، اور یہ کہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔“

(العقيدة الواطئية: 161)

اسی طرح ”عقیدہ واطئیہ“ کے شارح فضیلۃ الأستاذ شیخ محمد خلیل ہر اس لکھتے ہیں:

((اہل السنۃ والجماعۃ یعتقدون أن الایمان قول باللسان واعتقاد بالجنان وعمل بالأركان))

”اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ: ایمان، زبان سے اقرار کرنے، دل سے

اعقاد رکھنے اور اركان کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔

(شرح العقیدۃ الواطئۃ: 161)

اب ”الذین یؤمِنُونَ بِالْجَبَتِ“ کے صحیح مصدق وہ لوگ ہونگے جو شیطان یا ساحر کو سچا معبود مانتے یا علم سحر سیکھنے یا عمل سحر کرنے یا بتون کی عبادت کرنے کو سچا دین مانتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

کسی چیز کے وجود اور حیثیت کو ماننا ایک الگ بات ہے اور کسی چیز کو م مشروع اور سجادین سمجھنا یا اسے صحیح و حق سمجھ کر اسی کے مطابق عمل کرنا ایک جدا بات ہے۔ مثلاً:

۱: اگر منکرین حدیث سے کہا جائے کہ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ کی ذات و صفات کو تو تسلیم کرے مگر اللہ کی عبادت کو صحیح اور دینِ حق نہ سمجھے یا سرے سے اللہ واحد کو معبود برحق ہی نہ سمجھے تو تمہارے عقیدے کے مطابق شخص مذکور اللہ پر ایمان لایا ہے یا نہیں؟۔
یا یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اور اخلاقی کریمہ کو تو تسلیم کرے لیکن آپ کو اپنا ہادی اور برحق رسول نہ سمجھے تو آیا شخص مذکور آپ ﷺ پر ایمان لایا ہے یا نہیں؟۔

۲: یا یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص قرآن کو کلام اللہ تو سمجھے مگر قرآن کو اپنے لیے سرچشمہ ہدایت نہ سمجھے تو آیا شخص مذکور قرآن پر ایمان لایا ہے یا نہیں؟۔

میرے خیال اور سُنْنَۃٰ نبی کے مطابق ان تینوں صورتوں میں منکرین کا جواب بھی نفی میں ہونا چاہیے کہ شخص مذکور بالترتیب نہ تو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نہ ہی رسول ﷺ اور قرآن پر۔ جس طرح مذکورہ تینوں صورتوں میں ایمان لانا ثابت نہیں ہوتا، ٹھیک اسی طرح جب تک علم یا عمل سحر کو مشروع اور دینِ حق نہ سمجھا جائے محض اسکے وجود اور تائیم کو تسلیم کر لینے سے اہل السنۃ کو بھی ایمان بالجہت کا مرتكب نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

یاد رکھیے جو شخص کسی چیز پر ایمان لاتا ہے اسے کبھی بھی برا اور حرام نہیں سمجھتا کیونکہ ایمان

کسی امر شرعی کو تسلیم کرنے کا نام ہے، یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس کا انکار کسی کو دن شخص سے بھی متوقع نہیں ہے۔ اسی تناظر میں اثر احر کے قائلین کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اگر سحر پر ایمان لاتے تو عمل سحر کو کفر اور ساحر کو واجب القتل کبھی نہ کہتے۔ یہ اس حقیقت کا تین شوت ہے کہ وہ سحر پر ایمان نہیں لائے اور نہ ہی وہ جادو کو موثر حقیقی سمجھتے ہیں، بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق سحر کے وجود اور اسکی تاثیر کے قائل ہیں۔ آخر جدید منکرین حدیث بھی شیطان اور اسکی شرائیزیوں کو مانتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس طرح وہ ایمان بالجنبت اور ایمان بالباطل کے مرتكب ہو کر مشرک و ملعون بن جائیں گے؟

یاد رکھیے جس طرح شیطان اور اسکی شیطنت (یعنی دوسرا، ازلال و انساء وغیره) شرع میں ثابت ہے اسی طرح جادو اور اسکا باذن اللہ موثر ہونا بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ پھر شیطان اور اسکی شیطانی ماننے والے کو تو مومن سمجھنا مگر جادو گر کی شرائیزی ماننے والے پر کفر و شرک کے فتوے لگانا کہاں کا انصاف ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص جادو یا شیطان یا کسی ستارے حتیٰ کہ کھیت کی رکھوائی کے کتنے کو بھی کسی نفع و نقصان میں موثر حقیقی سمجھے تو وہ شخص یقیناً مشرک ہے کیونکہ موثر حقیقی سمجھنے کا مطلب اسے معبدوں بنانا ہے۔ لیکن اگر ان چیزوں کو محض اسباب کے درجے میں تسلیم کرے اور موثر و فاعل حقیقی فقط اللہ سبحانہ کی ذات کو سمجھے تو ایسا شخص یقیناً موحد مومن ہے۔

اللہ کی لعنت کا مستحق کون ہے؟

جدید منکرین حدیث سحر کی تاثیر کے قائلین کے بارے میں یوں گوہر فشانی کرتے ہیں:

”وہ دل سے مانتے ہیں کہ جادو میں نفع و نقصان دینے کا اثر ہے تو ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے اسکا کوئی مددگار نہیں ہے“۔ انتہی بالظفیر

(توحید یا جادو: ص 14)

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ (یعنی اہل السنۃ) جادو میں اثر مانتے ہیں، وہ ”بازن اللہ“ کی قید کے ساتھ مانتے ہیں، فی نفسہ جادو کو موثر نہیں مانتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جادو کا باذن اللہ اثر خود قرآن مقدس سے ثابت ہے جیسا کہ (

”يَخْيِلُ إِلَيْهِ مِنْ سَحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ“، ”سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ“ اور ”وَمَا هُمْ
بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِأَذْنِ اللَّهِ“ آیات قرآنیہ کی تشریع میں گزر چکا ہے، اس کا انکار
محض تعصّب اور جہالت پر ہے۔

اب اگر ”يَوْمَنُونَ بِالْجُبْتِ“ کا یہ معنی کیا جائے کہ: جو لوگ جادو کی باذن اللہ تاثیر کے
قابل ہیں وہ جادو پر ایمان لا کر لعنت کے مستحق ہو چکے ہیں، تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ
قرآن کا بعض حصہ، بعض حصے کی مخالفت کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے۔ پس یہی کہا جائے گا کہ جو
لوگ جادو کو موثر حقیقی اور جائز و مشرع مانتے ہیں وہی ایمان بالجہت کے مرتكب ہیں۔ علاوہ
ازیں جادو کی باذن اللہ تاثیر پر تمام اہل السنۃ محدثین، مجتهدین، مفسرین اور فقهاء کا اتفاق اور
اجماع ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جملہ سلف صالحین قرآن مقدس کی ایک آیت کو بھی سمجھنے سے
قاصر رہے ہوں، اور وہ یہ بھی نہ جان سکے ہوں کہ اس طرح وہ ”ایمان بالجہت“ کے مرتكب بن
کر لعنت کے مستحق بن رہے ہیں (العیاذ باللہ)۔ یاد رکھیے تمام سلف صالحین کو خطا کا رٹھہ رانا
بدأت خود گراہی ہے۔ نور الأنوار کے عمشی لکھتے ہیں:

((وَتَخْطِيَّةُ الْعُلَمَاءِ فُسُقٌ وَّ ضَلَالٌ))

یعنی تمام علماء کو خططا کا رٹھہ رانا فتنہ اور گراہی ہے۔

(نور الأنوار میں شرح قرآن تباریح حاشیہ نمبر ص: 181)

اسی طرح ”أصول الشاشی“ کے حاشیہ پر لکھا ہے:

((وَتَخْطِيَّةُ الْعُلَمَاءِ يَكُونُ بَدْعَةً وَ ضَلَالَةً))

”یعنی اہل علم کو خططا کا رٹھہ رانا بدعت اور گراہی ہے۔“

(اصول الشائی مطبوعہ مطبع بھائی دہلی حاشیہ نمبر ۷ ص: 81)

یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر مسلمہ اور ثابت شدہ ہے کہ مسلمین کی جماعت کی مخالفت میں ہدایت کی بجائے گمراہی نصیب ہوتی ہے۔

((ونزی الجماعة حقاً وصواباً والفرقہ زیغاً وعدباً))

”یعنی ہم جماعت کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں اور (جماعۃ سے) عیحدہ ہونے کو کجروی اور عذاب سمجھتے ہیں۔“

(عقیدۃ الطحاویہ مع الشرح: 427)

اب پوری امت مسلمہ کو لعنتی قرار دینے کی بجائے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ انہیں لعنتی کہنے والوں کو ہی ملعون قرار دیا جائے۔ منکر میں حدیث کی اس بے ہودہ گوئی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے غلام ہیں، مسلمہ حقائق کے ساتھ کھلیانا ان کے لیے معمولی بات ہے۔ یہ ذاتی خواہشات کی پرورش اور سنتی شہرت کے حصول کے لیے قرآن مقدس میں تحریف کرنے سے بھی بازنہیں آتے۔ یہودیوں کی دیگر بدعاادات کے ساتھ ساتھ ایک بدعاہت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کر دیا کرتے تھے، اللہ سبحانہ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

»وَلَكُنْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًاً ۝

(النساء: 46)

”لیکن لعنت کی اللہ نے ان پر ان کے کفر کے سبب، پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم۔“

احادیث سحر اور جدید معتزلہ کے ”حقائق و عقل سلیم“

بعض الناس سحر علی النبی ﷺ کی احادیث کو حقائق اور عقل سلیم کی مخالف قرار دیتے

ہوئے لکھتے ہیں:

”روایات سحر علی النبی ﷺ حقائق کے منافی ہیں اور عقل سلیم سے بعید ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے کہ روایات سحر میں ہے کہ آپؐ کے سر مبارک اور ریش مبارک کے بال گرنے تھے اور آپؐ معاذ اللہ گنجے اور کھودے ہو گئے تھے یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس سے مدینہ کا بچہ بچہ واقف ہونا چاہیے تھا کیونکہ بچہ ماہ تک سر مبارک اور ریش مبارک کا چھپا رکھنا کسی روایت موضوع سے بھی ثابت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گنجा ہونا نہایت معیوب ہے اور مورد طعن ہے۔۔۔ جب تم اپنے لیے گناپن پسند نہیں کرتے تو ایک معلوم نبی کے لیے ایک بے مثال حسین و جمیل پیغمبر کے لیے تم کیونکر تسلیم کرتے ہو۔“ انتہی بلطف

یعنی ان حضرات کے نزدیک چونکہ احادیث سحر سے آپؐ کا معاذ اللہ گنجاؤغیرہ ہونا ثابت ہو رہا ہے اس لیے یہ احادیث ”حقائق“ کے منافی ہیں، کیونکہ اگر واقعتاً ایسا ہوتا تو اس سے مدینہ کا بچہ بچہ واقف ہوتا۔ اور یہ احادیث ”عقل سلیم“ سے اس لیے بعید ہیں کہ گنجاؤغیرہ ہونا چونکہ انتہائی معیوب چیز ہے لہذا بے مثال حسین و جمیل پیغمبر کیلئے یہ عیوب تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جدید معتزلہ کا یہ اعتراض بذاتِ خود ”حقائق“ کا منہ چڑا رہا ہے۔ آپ ﷺ کے سر مبارک یا ریش مبارک کے بالوں کا گرنا کسی ایک صحیح حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔ ”مدینہ کا بچہ بچہ“ تو تب اس سانحہ سے واقف ہوتا جب ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا، معتزلہ کے علی الرغم جب مرے سے ایسا کچھ ہوا بھی نہیں ہے تو مدینے کے بچے کا واقف ہونا چہ معنی دارو؟

اگر معترضین کے ہاں علم و دیانت کی ذرا بھی قدر و قیمت ہے تو از راہ نوازش ان احادیث صحیحہ کی نشاندہی کی جائے جن میں مذکورہ بالا عیوب کی خبر دی گئی ہو۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کا دامن تو ان عیوب کے تذکرے سے قطعی طور پر پاک و صاف ہے، اور ہمیں یقینی طور پر

معلوم ہے کہ صحیحین کے علاوہ کسی اور صحیح حدیث میں بھی ان عیوب کا ذکر تک نہیں ہے۔ معتبرین کے بقول جس طرح آپ ﷺ کا چھ ماہ تک سر مبارک اور ریش مبارک کا چھپار کھنا ثابت نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح آپ ﷺ کے سر مبارک اور ریش مبارک کے بالوں کا گرجانا بھی ثابت نہیں ہے۔ ان حضرات نے تو ”چھ ماہ“ کی مدت بیان کی ہے جبکہ احادیث صحیحہ کے مطابق ایک دن کے لیے بھی مذکورہ بالا عیوب آپ ﷺ کو لا حق نہیں ہوئے۔

رواياتِ موضوع و ضعیفہ کو آڑ بنا کر صحیحین کو بدنام کرنا اور احادیث صحیحہ کو مور و طعن بنانا اور ان کا استہزا کرنا معتزلہ و منکرین حدیث کا قدیمی پیشہ ہے۔ اگر انہیں ”حقائق“ کی ضرورت تھی تو ادھر ادھر سے رطب و یابس جمع کرنے کی بجائے پوری ایمانداری سے احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرتے اور ان کے صحیح مفہوم سے عوام الناس کو آگاہ کرتے۔ مگر یہ حقیقت بھی مسلمہ ”حقائق“ میں سے ہے کہ خود نمائی و خود پسندی کا خمار اور نشرہ اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ حقائق بھی عجائب کی صورت نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ اور پھر ایسی صورت حال میں عقل بھی ”عقل سلیم“ نہیں رہتی بلکہ خود ساختہ مفروضات کے انبار تلے دب کر اپنی سلامتی کو بیٹھتی ہے۔

”عقل سلیم“ کا تقاضا تو یہ ہے کہ تفقیح علیہ احادیث جنہیں امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور جو کم از کم ”مشہور“ یا متواتر کے درجے میں ہیں، ان میں کیڑے نکالنے کی بجائے انہیں صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ کیا ”عقل سلیم“ اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ جملہ اہل السنۃ محدثین و سلف صالحین جنہوں نے احادیث سحر کی بحذیب نہیں کی، کو بیک جنمیں قلم مخالفین قرآن اور معاندین رسول ﷺ کے درجے میں کیا ”عقل سلیم“ یہ ماننے کے لیے تیار ہے کہ چھپلے چودہ سو سال میں اہل السنۃ میں سے کوئی ایک مشتد فقیہ اور محدث بھی ایسا نہیں گزار جو قرآن اور احادیث سحر میں جدید معتزلہ کا مزعومہ تضليل بھجو سکتا؟ کیا ”عقل سلیم“ کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے من گھرست اور خود ساختہ اصولوں کی آبرو بچانے کی خاطر تفقیح علیہ احادیث کا گلا گھونٹ دیا جائے؟ کیا یہ بھی ”عقل سلیم“ کا کرشمہ ہے کہ بے بنیاد مفروضات اور بے

حقیقت "حَقَّاَنْ" کا ڈھنڈورا پیٹ کر احادیث صحیح کا تماشہ بنادیا جائے؟۔

یقین کیجیے! یہ "عقل سلیم" نہیں، بعض بغض حدیث ہے جو مختلف نام اور روپ اختیار کر کے امت کے مسلمات پر حملہ آور ہو کر وحدتِ امت کا شیرازہ بکھیرنا چاہتا ہے۔

کیا احادیث سحر، احادیث صحیح کے خلاف ہیں

منکرین احادیث سحر کا ایک اور پیشتر الاحظہ خدمت ہے، بعض الناس نے کہا ہے: "یہ روایات احادیث صحیح کے بھی خلاف ہیں اس لیے کہ ان روایات میں ہے کہ نبی علیہ سلام نے چھ ماہ تک حقوق زوجیت ادا نہیں کیے حالانکہ صحیح احادیث میں ہے کہ آپ صرف ایک ماہ یعنی 29 یوم تک اپنی ازواج مطہرات سے علیحدہ رہے بجہ سواری سے گرجانے کے اس کے علاوہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے حقوق زوجیت ادا کرنے سے محصور یا معذور ہوئے ہوں۔ جب کہ سحر سے ثابت ہے کہ چھ ماہ تک آپ حقوق زوجیت ادا کرنے سے بجہ سحر محروم رہے۔" اتنی بلفظ

گزشتہ صفات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ چھ ماہ تک حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے مگر اسکے باوجود یہ حضرات ضعیف روایات کو صحیح قرار دیکر صحیح احادیث کو مشکوک ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حیف صدحیف ہے ایسے "عقل سلیم" پر جو صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایک جسمانی عارضے کی وجہ سے آپ ﷺ 29 دنوں تک حقوق زوجیت ادا کرنے سے "محصور یا معذور" رہے تھے، تو یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ کسی جسمانی تکلیف اور عارضے کی بنا پر حقوق زوجیت ادا نہ کر سکنا پسغیر کیلئے کوئی عیب یا موردنہ طبع چیز نہیں ہے۔ کرشمہ خداوندی یہ ہے کہ منکرین بھی ان احادیث کو "احادیث صحیح" سمجھتے ہیں۔ اب منکرین حدیث سحر سے سوال یہ ہے کہ اگر ان کے بقول

حقوقِ زوجیت کی ادائیگی سے عارضی طور پر "محصور یا معدور" رہنا بھی عیوب میں شمار ہوتا ہے تو کیا 29 دنوں تک آپ ﷺ کے اندر یہ عیوب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

احادیثِ سحر میں 29 ایام تو درکنار ایک ہفتہ کیلئے بھی "محصور یا معدور" رہنے کا ثبوت نہیں ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ احادیث سحر کو تہریخ کنڈے سے رد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور 29 ایام کی "معدوری" کو ٹھنڈے دل سے قبول کر لیا جاتا ہے؟ کیا اسی کا نام "عقل سليم" ہے کہ ایک آدھ دن کی عدم ادائیگی کو تو عیوب اور "محرومی" قرار دیا جائے اور پورے مہینہ کیلئے محصور رہنے کو مکمل شرح صدر کے ساتھ قبول کر لیا جائے۔ عقل سليم تو یہی سمجھاتی ہے کہ جادو کا عارضی اثر بھی ایک عارضی جسمانی تکلیف کی مانند تھا جس کی مدت بھی نہایت مختصر تھی اور عارضی طور پر حقوقِ زوجیت ادا نہ کر سکنا شانِ نبوت میں تنقیص کا سبب ہرگز نہیں بنتا۔

برکاتِ نبویہ

مکررینِ حدیث سے جب اور کچھ نہیں ہو سکا تو وہ کھلم کھلا انکارِ حدیث پر اتر آئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

"رہایہ سوال کہ نظر بد، آسیب اور جادو احادیث سے ثابت ہے تو جواب اعرض ہے کہ بخاری و مسلم کی احادیث میں نبی کریم ﷺ کے بال و جبے سے شفاء حاصل کرنا بھی آرہا ہے تو کیا آپؐ کے بال و جبے سے شفاء حاصل ہوتی ہے؟--- جب ایک کام خود نبی کریم ﷺ نہیں کر سکتے تو ان کا بال و جبے کیسے کر سکتا ہے؟ قل اني لا املك لكم ضرا ولا رشدًا۔"

(توحید یا جادو: 15)

"جواب اعرض ہے" کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں قطعاً کوئی ایسی مرفوع متعلق حدیث نہیں پائی جاتی جس میں رسول اللہ ﷺ نے بال و جبے سے شفاء حاصل کرنے کا کہا ہو نیز کسی

صحابی اور رسولؐ سے بھی ثابت نہیں ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے بال و جبے کو شافی اور موثر حقیقی سمجھا ہو۔ البتہ صحابہ کرام علیہم السلام آپ ﷺ کے وجود اقدس کو برکات و فیوضات ربانیہ کا مسکن سمجھتے ہوئے آپ ﷺ کے جبے یا بالوں کو متبرک سمجھ کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ مثلاً! سیدنا سہل بن ساعد انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نے اپنے ہاتھ کی بُنی ہوئی ایک چادر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے اسے قبول فرمالیا، جب آپؐ وہ چادر پہن کر باہر تشریف لائے تو ایک صحابیؓ نے وہ چادر آپ ﷺ سے مانگ لی۔ دیگر صحابہ کرامؓ نے اسے کہا کہ یہ تو نے اچھا نہیں کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو خود اسکی ضرورت تھی اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ آپؐ کسی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے۔ اس پر اس صحابیؓ نے کہا:

((انی والله ما سأله لآلبسه و انما سأله لتكون كفني))

یعنی بخدا میں نے یہ چادر پہنے کیلئے آپ ﷺ سے نہیں مانگی، بلکہ اس لیے مانگی ہے کہ مجھے اس میں کفن دیا جائے۔

(صحیح بخاری: 1/ 170، جلد دوم: 864)

یعنی تبرک کے طور پر آپ ﷺ کی چادر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ امام بخاریؓ نے بھی اس حدیث کو ”كتاب المرضي“ میں نہیں لکھا بلکہ ”كتاب الجنائز“ اور ”كتاب اللباس“ میں لائے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بالوں کو بھی منجات اللہ برکت کے حصول اور نوحست کے ازالہ کیلئے لوگ اپنے گھروں میں رکھا کرتے تھے۔

پوری امت مسلمہ تسلیم کرتی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود مسعود برکات و فیوضاتِ رباني کا گھر تھا۔ آپ ﷺ کے وجود اقدس کا ایک ایک رواں برکتوں اور رحمتوں سے لبریز تھا۔ صحابہ کرام علیہم السلام جیعنی انہی برکات کے حصول کے لیے آپ ﷺ کے جسد اطہر کو چھوتے تھے، ان کا یہ فعل اس بنیاد پر نہیں تھا کہ وہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کو مشکل کشاء یا حاجت

رواں بھی بیٹھے تھے بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ کے پاک اور بے مثل پیغمبر کا وجود اقدس چونکہ برکاتِ الٰہیہ کا مسکن ہے لہذا اس کو چونے یا مس کرنے سے بھی اللہ کی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ آخر جمرا سود کو بوسہ بھی تو اسی غرض کے پیش نظر دیا جاتا ہے، (جمرا سود کو بوسہ دینا بھی حدیث سے ہی ثابت ہے) جو ذات ایک پتھر میں برکت رکھ سکتی ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود اقدس کو بھی با برکت بن سکتی ہے۔

سیدنا سائب بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بھانجا بیمار ہے، اس کے بعد حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

((فمسح رأسى ودعالي بالبركة وتوضأ وشربت من وضوئه
الخ))

”یعنی آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضوء کیا تو میں نے وضوء کے پچے ہوئے پانی میں سے پیا۔“

(صحیح بخاری: 1/501 و جلد دوم: 847) صحیح مسلم باب اثبات خاتم النبوات رقم الحدیث: 4328۔ ترمذی باب فی خاتم النبوات رقم: 3576)

سیدنا ابو جیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت وادی بطحاء کی طرف نکلے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے وضوء کیا اور ظہر و عصر کی دودور رکعات پڑھیں۔ فارغ ہونے کے بعد:

((قامَ النَّاسُ فَجَعَلُوا يَأْخُذُونَ يَدِيهِ فَيَمْسُحُونَ بِهِمَا وَجْهَهُمْ
قَالَ فَأَخَذْتُ بِيَدِي فَوَضَعْتُهَا عَلَى وَجْهِي فَإِذَا هِيَ أَبْرَدَ مِنَ
الثَّلَجِ وَأَطِيبُ رَائِحَةً مِنَ الْمَسْكِ))

”یعنی لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ہاتھوں کو کپڑ کر اپنے جسموں سے مس

کرنے لگے، پس میں نے بھی آپؐ کا دست مبارک پکڑا اور اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ بہترین خوشبو والا تھا۔“

(صحیح بخاری: 1/502)

اسی طرح ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

((ان النبی ﷺ کان ینفث علیٰ نفسه فی مرضه الذی قبض
فیه بالمعوذات فلما ثقل کنت انفث علیه بھن وآمسح بید
نفسہ لبرکتها))

”یعنی نبی کریم ﷺ اپنی مرض الموت میں معوذات پڑھ کر (اپنے دست مبارک میں پھونک مار کر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیر دیتے تھے)۔ جب آپؐ کیلئے اس طرح کرنا مشکل ہو گیا تو میں معوذات پڑھ کر دم کر دیتی تھی اور آپؐ کا ہاتھ آپؐ کے جسم الہبر پر پھیر دیتی تھی اسکی برکت کی وجہ سے۔“

یعنی اپنا ہاتھ نہیں پھیرتی تھیں بلکہ آپؐ کا ہی ہاتھ پھیرتی تھیں تاکہ آپؐ کے ہاتھ کی برکت بھی شامل ہو جائے۔

(صحیح بخاری: 2/854، 856۔ مؤطلا امام مالک باب التوعذ والرقیۃ فی المرض۔ ابو داود: رقم الحدیث 3896۔ مدد

احمد: رقم الحدیث 24310)

اسی طرح سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپؐ سیدہ ام سلیمؓ (رضی اللہ عنہا) (آپؐ کی رضاعی خالہ) کے گھر چڑھے کی ایک چٹائی پر آرام فرمائے تھے اور آپؐ کے وجود اقدس سے پسینہ بہہ کر اس چٹائی پر جمع ہو رہا تھا۔ ام سلیمؓ نے اس پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں ڈال لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے ام سلیمؓ! یہ تو کیا کر رہی ہے؟ (یعنی کس لیے پسینہ جمع کر رہی ہے) تو انہوں نے جواب دیا:

((یا رسول اللہ نرجوا برکتہ لصیباننا قال اصبت))

”یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے بچوں کیلئے اس پیسند سے برکت کی امید کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ٹھیک کیا۔“

(صحیح مسلم: 257)

پس آپ ﷺ کے وجود اقدس کو با برکت سمجھتے ہوئے تمہر ک حاصل کرنا، نہ تو شرک ہے اور نہ ہی اس میں آپ ﷺ کی پرسش کا شائیبہ پایا جاتا ہے۔

باتی منکرینِ حدیث کی پیش کردہ آیت ”قل انی لا املک لکم ضراً ولا رشدًا“ کا تعلق ہدایت و ضلالت کے ساتھ ہے، یعنی کسی کو ہدایت کا ملنا یا نہ ملنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی مضمون کو درج ذیل آیت بھی واضح کر رہی ہے:

﴿انك لا تهدى من أحببت ولـكن الله يهـدى من يشاء﴾

(قصص: 56/28)

”آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، بلکہ اللہ ہدایت ہے جس کو وہ چاہے۔“

یعنی ہدایت و ضلالت اللہ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے اپنے فضل خاص سے ہدایت عطا فرمادے اور جسے چاہے گمراہی میں چھوڑے رکھے، سب اسی کا اختیار ہے۔ یعنی ان مقامات پر آپ ﷺ کے وجود کی برکات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ہدایت و ضلالت کے اختیار کی نفی کی گئی ہے۔

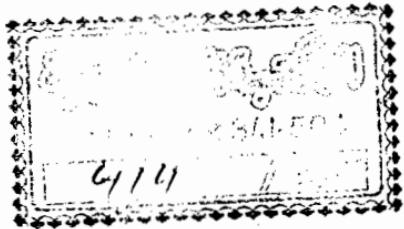
اب آخر میں یہ بھی سن لیجیے کہ جو شخص اصول حدیث کے مطابق ”صحیح“ ثابت شدہ احادیث کو جنت تسلیم نہیں کرتا اور رد کر دیتا ہے، اسکے بارے امت مسلمہ کا فیصلہ یہ ہے: ((فاعلموا رحمکم اللہ ان من انکر کون حدیث النبی ﷺ))
 قولًاً كان او فعلًاً بشرطه المعروف في الأصول حجة كفر
 وخرج عن دائرة الاسلام وحشر مع اليهود والنصارى او مع

من شاء الله من فرق الكفرا))

”یعنی یہ بات اچھی طرح جان لو کہ جو شخص اصول محدثین کے مطابق صحیح ثابت ہونے والی کسی قولی یا فعلی حدیث رسول ﷺ کا انکار کرے، وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کا حشر یہود و نصاریٰ یا دیگر گمراہ فرقوں کے ساتھ ہو گا جو کفر کی حد کو پہنچ چکے ہیں۔“

(مفتاح الجنة في الاحتياج بالسنة للسيوطى ص 11 رقم 5 مطبوعة دارالهدى العربى مكتبة ابن تيمية الكويت)

وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب



خطاۃ الکیدیت کی نکتہ بیانات

